نحن انصار اللہ

☆ ☆ ☆ بیت الانصار۔ نیا دفتر مجلس انصار اللہ کینیڈا ☆ ☆ ☆

مجلس انصار اللہ کینیڈا کا ترجمان

R.D. AUTO REPAIRS & TAXI RENTALS

Great Service
& Great Prices

آر۔ڈی۔آٹو رپیئرز اینڈ ٹیکسی رینٹل

Taxi & Limo Special

Oil Change $14.99
Brakes $39.99
(Front or Rear) 95 to 97 All Makes
Brakes $39.99
(Front or Rear) 98 to 2001 All Makes

Open 24 Hours

Oil Change $14.99 Regular
Regular $24.99
Save $10.00
Front Brakes $49.99
(Most Cars)
Rear Brakes $49.99
(Most Cars)

Engine Shampoo $19.99
Safety Inspection $39.99
Engine Tuneup $49.99
(Most Cars)

Call: Mr. Khan/Nadeem
416-782-3898 - Fax: 416-782-8452

52-Eugene Street
One Block West of Caledonia Rd. & One Block South Of Lawrence
Near Major Intersection Of Keele & Lawrence Two Blocks East Of Keele

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم　　　　وعلے عبدہ المسیح الموعود

مجلس انصار اللہ کینیڈا کا تعلیمی ، تربیتی و دینی مجلہ

نحن انصار اللہ

1379 ہجری شمسی - 2001 عیسوی

جلد نمبر 2 - شمارہ نمبر 1

فہرست مضامین

☆ قرآن مجید

☆ حدیث النبوی ﷺ

☆ ارشادات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

☆ اداریہ

☆ پیغام صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

☆ ذکر حبیبؑ

☆ یاد مصلح موعودؓ

☆ احمدیت کی برکتیں

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی پر شفقت یاد

☆ مقدمات کے پس منظر میں

☆ چند یادیں

☆ تجزیاتی تعاقب

☆ یاداشت اور ذہنی استعداد

☆ منقولات

☆ مجلسی سرگرمیوں کی تصویری جھلکیاں............اور بہت کچھ

امیر و مشنری انچارج کینیڈا

مولانا نسیم مہدی

صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

ملک کلیم احمد

قائد اشاعت

محمد زبیر منگلا

مدیر (اردو)

ناصر احمد وینس

مدیر (انگلش)

ڈاکٹر ساجد احمد

کمپوزنگ و ڈیزائنگ

سعید احمد مجید

بشارت احمد (وینکور)

دفتر اشاعت : ایڈیٹر نحن انصار اللہ - 10610 Jane Street, Maple Ontario. L6A 1S1 (Tel: 905 835 2669 Fax: 905 832 3220

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام ربّانی

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ (آل عمران ۳ : ۸۲)

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب اللہ نے (اہل کتاب سے) سب نبیوں والا پختہ عہد لیا تھا کہ جو بھی کتاب اور حکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی (ایسا) رسول آئے جو اس کلام کو پورا کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور (فرمایا تھا) کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری (طرف سے) ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ (اور انھوں نے کہا تھا) ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے (ایک گواہ) ہوں۔

ارشادِ نبوی ﷺ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلۃ)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور اس میں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے ہمارا ذبیحہ کھائے۔ وہ مسلمان ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسولؐ نے لے لی ہے۔ پس اللہ کی ذمہ داری کی بے حرمتی نہ کرو۔

ارشاداتِ عالیہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام

دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ذریعہ سے سچائی کو دنیا میں پھیلاؤں ۔ میں اس بات کا مخالف ہوں کہ دین کے لئے تلوار اٹھائی جائے اور مذہب کے لئے خدا کے بندوں کے خون کئے جائیں ۔ اور میں مامور ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہوسکے ان تمام غلطیوں کو مسلمانوں میں سے دور کر دوں اور پاک اخلاق اور بردباری اور حلم اور انصاف اور راستبازی کی راہوں کی طرف ان کو بلاؤں ۔ میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے ۔میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ سے بڑھ کر ۔ میں ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے ۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول ۔

(اربعین نمبر 1 ۔ روحانی خزائن ، جلد 17 ، صفحہ 344)

حضورانور کا مکتوبِ گرامی ۔۔ بسلسلہ، دفتر مجلس انصار اللہ کینیڈا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پرائیویٹ سیکرٹری
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

لندن
۲۳.۵.۲۰۰۰

مکرم کلیم احمد صاحب۔ صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ بعد ملاحظہ و دعا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"اپنے دفتر کا نام آپ "بیت الانصار" رکھ لیں۔ اللہ مبارک کرے"

اللہ تعالیٰ آپ سب کو مقبول خدمات بجا لانے کی توفیق عطا کرے۔

والسلام
خاکسار

منیر احمد جاوید

پیغام صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ''نحن انصاراللہ'' کا دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے جو کہ چند دوستوں کی محنت کا ثمر ہے خدا تعالیٰ انہیں بہتر جزا دے (آمین)

مجلس انصاراللہ کئی جہتوں سے مجلس اور جماعت کے کاموں کو بڑھانے میں مد ثابت ہوسکتی ہے۔اس رسالہ کی مدد سے متعدد امور کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ چنانچہ جہاں یہ مقصد ہے کہ تعلیمی معیار بلند ہو وہاں یہ بھی مقصد ہے کہ انصار پدرانہ شفقت سے جماعتی امور پر نظر رکھیں۔ اور جسطرح ایک مومن باپ اپنے گھر کی چاردیواری میں خدا کے احسانوں کا شکر گزار اور پیار و محبت کا خواہاں ہے، بعینہ شکر، پیار و محبت، اخلاص اور قربانی کا معیار وہ تمام جماعت میں دیکھنے کا خواش مند ہو۔

ہم نے مجلس انصاراللہ پاکستان کی اجازت سے ''دینی نصاب'' کی کتاب شائع کی ہے۔ امید ہے کہ اس میں شامل موضوعات ہر گھر کے لیے فائدہ مند ہوں گے۔ یہ کتاب اردو میں ہے۔اس لیے اردو دان احباب زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔اگر آپ کو اب تک یہ کتاب نہیں ملی تو اپنے زعیم صاحب سے رابطہ قائم کریں۔

نحن انصاراللہ کو کامیابی سے جاری رکھنے کے لیے آپ کے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ہلکے پھلکے سیرت،سائنس ،صحت اور معلوماتِ عامہ سے متعلق مضامین جو آپکو پسند ہوں اور دوسروں کے لیے بھی مفید سمجھتے ہوں بجھوائیں ۔ ایسے مضامین انشاء اللہ اس رسالہ کی زینت میں اضافہ کریں گے ۔مجلس انصاراللہ کے کاموں ، مالی قربانی ،اجلاسات اور اجتماعات میں آپ کی شمولیت ہمیشہ باعثِ مسرت ہوتی ہے۔

ہمارے آئندہ منعقد ہونے والے پروگراموں میں شامل ہونے کے لیے ابھی سے کوشش کریں۔۔خدا تعالی ہماری مساعی کو قبول کرے اور باالخصوص تبلیغ کا جو جامع پرورگرام آپ تک مقامی زعیم صاحب نے پہنچایا ہے اس پر پوری طرح عمل کرنے والے ہوں۔دعا ہے کہ اللہ تعالی اپنے فضل سے ہمیں ہر پہلو سے نوازے (آمین)

والسلام خاکسار

ملک کلیم احمد

صدر مجلس انصاراللہ کینیڈا

اداریہ

آ دیکھ تیرے جہاں میں کیا کیا نہیں ہوا !!!

یہ 30 اکتوبر 2000ء کا ایک سرمئی سویرا ہے......ظلمتِ شب کی کوکھ سے پھوٹنے والا اجالاً سحر بتدریج پھیل رہا ہے.......طلوع سحر کی ان فرحت انگیز گھڑیوں میں انسان تو انسان' چرند پرند بھی اپنے پیدا کرنے والے کی حمد و ثناء کے مدھر گیت گانے میں مگن ہیں.....ایسے میں ضلع سیالکوٹ کے قصبہ گھٹیالیاں خورد کی مسجد احمدیہ کے اندر رب العالمین کی توحید کے نام لیوا نمازِ فجر کی ادائیگی اور منبع رشدو ہدایت قرآنِ پاک کے درس سے مستفیذ ہو کر جیسے ہی صحنِ مسجد سے نکلنے لگتے ہیں تو اچانک باہر سڑک پر کھڑی ایک کار سے نکلنے والے دو انسان نما وحشی درندے صحنِ مسجد میں گھس کر نہتے و بیگناہ نمازیوں پر کلاشنکوفوں سے گولیوں کی اندھادھند بوچھاڑ کر دیتے ہیں...............

درندگی و بربریت کے اس خونچکاں ڈرامے کے نتیجہ میں گولیوں سے اٹھنے والا دھواں اور معصوم نمازیوں کے جسموں سے بہہ نکلنے والا لہو صحنِ مسجد میں چاروں طرف پھیل جاتا ہے.........بیسویں صدی کے یہ انسانی بھیڑیے طے شدہ پلان کے مطابق اپنی کاروائی لمحوں میں مکمل کر کے ہوائی فائر کرتے ہوئے باہر تیار کھڑی کار میں بیٹھ کر اطمینان سے پسرور روڈ کی طرف چلے جاتے ہیں.........ان وحشی درندوں کی بیہمانہ کاروائی کے نتیجہ میں پانچ بیگناہ احمدی مسلمان شہید اور تقریباً درجن بھر زخمی ہو جاتے ہیں۔ اس خوں آشام کاروائی کے بعد جب لوگوں کا ہجوم صحن مسجد میں زخمیوں کو سنبھالنے لگتا ہے تو چشم فلک ایک عجیب مگر ایمان افروز نظارے کا دیدار کرتی دکھائی دیتی ہے۔جس جس زخمی کو لوگ سنبھالنے لگتے ہیں تو وہ ساتھ کے زخمی کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ پہلے اسکو سنبھالو..........! اللہ اللہ یہ تو اس شاندار اسلامی روایت کی تجدید ہے جب میدان جنگ میں شدید زخمی ہونے والے اپنی جان کنی کی کیفیت کی پرواہ کئے بغیر دوسروں کی فکر کرتے تھے اور دوسرے زخمیوں کو پہلے پانی پلانے کا کہتے تھے......

سوال یہ ہے کہ گھٹیالیاں کے ان شہیدوں اور زخمیوں کا آخر قصور کیا تھا......؟ صرف یہی نا! کہ وہ اصدق الصادقین حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ پیشگوئیوں کے عین مطابق امام آخرالزماں علیہ السلام کو پہچان کر اپنے آقا ہادی کونین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس موعودہ امام مہدی علیہ السلام کو آنحضورؐ کا سلام پہنچانے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے......

اے گھٹیالیاں کے راہ حق کے شہیدو! ہزاروں ہزار رحمتیں تم پر کہ حقیقی زندگی تو وہی ہے جو تم نے پالی۔خانۂ خدا کے اندر اپنی جانوں کے صدقے رہ خدا میں اتار کر شہادت کا جو اعزاز تم نے پایا ہے، زہے نصیب! یہ سعادت تو نصیب والوں کے ہی حصے میں آیا کرتی ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

گھٹیالیاں کے شہداء کی تدفین کو ابھی بمشکل دس روز گزرتے ہیں کہ دس نومبر ۲۰۰۰ء کو جمعۃ المبارک کے دن تخت ہزارہ (ضلع سرگودھا) کی احمدیہ مسجد میں نماز عشاء کے وقت پانچ مزید احمدی مسلمان، بعض مفسد ملاؤں اور اطہر شاہ نامی جیسے منشیات کے عادی شر پسند غنڈہ عناصر کے بہکاوے میں آئے ہوئے مشتعل و مسلح ہجوم کے ہاتھوں (پولیس کی موجودگی میں) اپنی جانیں راہ خدا میں پیش کرنے کا عظیم اور شاندار رتبہ پا جاتے ہیں۔ان شہداء میں دو تو نوعمر اطفال عزیز مبارک احمد اور عزیز مدثر احمد بھی شامل ہیں۔یہ دونوں بچے خانہ خدا کی حفاظت کرتے ہوئے بے رحم وحشی ہجوم کے ہاتھوں ،جنگ بدر کے دو نوعمر مجاہدوں معاذؓ اور معوذؓ کی یادیں تازہ کرتے ہوئے راہ مولٰی میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں......

ایمان افروز یادوں کے اس اعادہ کے ساتھ ساتھ چشم فلک ایک اور کریہہ منظر کا نظارہ بھی تو کرتی نظر آتی ہے۔مگر یہ منظر اتنا گھناؤنا اور کربناک ہے کہ عام انسانی آنکھ شائد اس کی تاب نہ لا سکیبہ بعینہٖ وہی منظر نامہ ہے جو زمانہء جاہلیت میں اسلام کی آمد کے بعد اسے مٹا دینے

کے درپے مشرکین مکہ حضرت حمزہؓ جیسے شہداء اسلام کی نعشوں کے ساتھ روا رکھا کرتے تھے......

چنانچہ جنگل کے قانون میں کسی کمزور شکار کو ختم کر کے اس کی لاش کو نوچنے اور کھسوٹنے والے خونخوار جانوروں کے مصداق تخت ہزارہ کی سرزمین پر واقع خانہ خدا کے اندر قانون کے محافظوں کی آنکھوں کے سامنے رحمت العالمینؐ جیسے انسان کامل کے نام نامی سے منسوب ہونیوالوں نے ''خدمت اسلام'' کے کیسے کیسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، ان کا ذکر سن کر کلیجہ پھٹتا اور انسانیت شرم سے منہ چھپائے پھرتی ہے......مثلاً:

☆ شہداء کی لاشوں کو چھت سے نیچے گرا کر گلیوں میں گھسیٹا جا رہا ہے......

☆ بعض کے چہرے کلہاڑیوں سے مسخ کئے جا رہے ہیں......

☆ بعض شدید زخمی ہو جانیوالوں کو مسجد کی صفوں میں لپیٹ کر زندہ آگ میں جلانے کی کوشش کی جا رہی ہے......

اور جب حیوانی جبلتوں کے حامل خونیوں کی پیاس ان وحشیانہ حرکتوں سے بھی نہیں بجھتی تو خدا کے گھر کو وہاں پڑے ہوئے قرآن پاک کے نسخوں سمیت جلا کر خاکستر کر دیا جاتا ہے.......... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تخت ہزارہ گاؤں میں آباد ہونے والے 60-50 احمدی گھرانے وہ ہیں جو تقسیم برصغیر کے وقت بھارت کے شہر کرنال سے محض اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کی خاطر ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔انہیں کیا پتہ تھا کہ ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جو 1947ء میں سکھوں نے مسلمانوں کے ساتھ بھی نہیں کیا تھا...... البتہ وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ فانی دنیا کی یہ چند روزہ حیات مستعار تو محض گنتی کے کچھ سانسوں کے آنے جانے کا نام ہے۔ مگر جس ڈھب سے ان کے جگر گوشوں، بھائیوں اور باپوں نے اپنے خون کا نذرانہ دیکر وفاؤں کی لافانی داستاں، کتاب عشق پر رقم کر دی ہے۔آنیوالا زمانہ، تخت ہزارہ کو ہیر رانجھے کے عشق مجازی پر مبنی دنیاوی قصے سے نہیں بلکہ عشق حقیقی کی اس لہو رنگ مگر لازوال داستاں سے یاد کیا کریگا...... کیونکہ ؎

جس ڈھب سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے ☆ یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

مملکت خداداد پاکستان میں مذکورہ احمدیہ مساجد میں اجتماعی قتل کے حوالے سے ایک انتہائی گھناؤنا پہلو یہ ہے کہ شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار موجودہ فوجی ڈکٹیٹر شپ اور اس کے بعض کارندے حتیٰ کہ لاہور ہائی کورٹ کے دو حاضر سروس جج جسٹس نذیر اختر اور جسٹس منیر احمد مغل احمدیوں کے خلاف ملاؤں کی نفرت انگیز مہم میں حصہ دار بنتے ہوئے ایک جلسہ عام میں اشتعال انگیز تقاریر کے ذریعے لوگوں کو قانون ہاتھ میں لیکر احمدیوں کے قتل کی ترغیب دیتے رہے۔جس کا ریکارڈ پاکستان کے قومی اخبارات میں بھی موجود ہے۔لوگوں کے جذبات غلط سمت انگیخت کرنے کے پہلو بہ پہلو پنجاب پولیس کا کردار بھی از حد قابل مذمت ہے۔جس نے پاکستان کے پرامن اور محب وطن احمدی شہریوں کے خلاف ایک عرصے سے جاری متشدد مزاج ملاؤں کی منافرت انگیز مہم نیز اپنی نااہلی اور مجرمانہ چشم پوشی پر پردہ ڈالنے کی خاطر گھٹیا لیاں اور تخت ہزارہ کے المناک واقعات کو بعض مقامی، خاندانی اور زمینوں کے لین دین جیسے جھگڑوں کا شاخسانہ قرار دیا۔بات صرف اسی پر منحصر نہیں رہی۔ان سانحات کے فوراً بعد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کسی بالائی اشارے پر میڈیا میں جماعت احمدیہ کیخلاف (عوام الناس کی توجہ حکومت کی تیزی سے گرتی ہوئی ساکھ سے ہٹانے کے لئے) عجیب و غریب اور مضحکہ خیز قسم کی بہتان تراشیوں اور الزامات پر مبنی قابل صد نفرین مہم چلائی جا رہی ہے۔ مثلاً:

☆ '' آزاد قادیانی ریاست کا اعلان کر دیا گیا......''!

☆'' مرزا طاہر کی طرف سے قادیانی ٹی وی چینل پر فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی مظالم کی حمایت......''!

اور اس نوع کے دیگر انتہائی بیہودہ ء شرانگیز اور من گھڑت الزامات کی ایک طویل فہرست اخباری ریکارڈ پر ہے۔اس ضمن میں تکبیر پڑھ کر سچائی کے گلے پر چھری چلانے میں ماہر کراچی کے ہفتگی جریدیے ''تکبیر''، روزنامہ جسارت اور ملت جیسے (قیام پاکستان کی شدید مخالف جماعت اسلامی کے پرورده) صحافتی چیتھڑوں کا رول تو سمجھ میں آتا ہے۔کہ کذّب وافتراء اور جماعت احمدیہ سے بغض وعناد اور مخالفت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے......

البتہ اسی مہم کا ایک اور حیرت انگیز اور تہہ در تہہ پہلو یہ ہے کہ مذکورہ شرانگیز مہم کی تشہیر ٹورانٹو سے چھپنے والے کچھ مقامی جرائد نے بھی کی۔چنانچہ ہفت روزہ پاکستان اسٹار، بالخصوص ماہواری جریدے'' ملاقات'' کا اس مذمومہ مہم میں آلہء کارقسم کا کردار اگر مشکوک نہیں تو ایک معمہّ ضرور ہے!! حالانکہ کینیڈا کے انسانی حقوق سے متعلقہ قوانین' کریمینل کوڈ نمبر ۱۸۷ کے تحت رنگ' نسل' زبان اور مذہب کی بنیاد پر کینیڈین معاشرے میں منافرت پھیلانا ایک سنگین جرم ہے۔جس کے تدارک کیلئے پولیس کا اسپیشل یونٹ بھی موجود ہے۔چنانچہ کینیڈا جہاں جملہ بنیادی انسانی حقوق جیسے تحریر۔تقریر بالخصوص آزادیٔ صحافت کا علمبردار ہے وہاں اپنے شہریوں کو اس آزادی کے ناجائز استعمال یا بالالفاظ دیگر'' صحافتی دہشت گردی'' سے تحفظ دلانے کا ضامن بھی ہے۔تاہم قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھنے کے باوجود متذکرہ جرائد کو محض اتمام حجت کی خاطر جوابی مراسلے بھی بھجوائے گئے۔

اس سلسلے میں ہفت روزہ پاکستان اسٹار بہر کیف شکریئے کا مستحق ہے کہ اس نے صحافتی دیانتداری کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے جوابی مراسلہ بھی شائع کیا۔البتہ ماہواری جریدے'' ملاقات'' نے اپنی غیر جانبداری، صحافتی دیانتداری اور کسی فرقہ یا جماعت کے افراد کی دلآزاری نہ کرنے کی پالیسی کا ڈھول پیٹنے کے باوجود'' ہاتھی کے دانت دیکھانے کے اور دکھانے کے اور'' کے مصداق اپنے جریدے میں دانستہ شائع کی جانیوالی شرانگیز خبر پر بھجوایا جانیوالا قلمی تجزیہ شائع نہیں کیا۔ایک انشورنس کمپنی سے بطور انشورنس ایجنٹ، ریٹائرمنٹ کے بعد یکایک صحافی بن جانے کا سوانگ بھر کر'نیز'' بھٹوازم'' کے خیالی بت کا پجاری بن کر اپنے چارحرفی پرچے کو بزعم خویش اتھارٹی بناتے ہوئے دیگر ہم وطن کلمہ گوؤں کو مسلمانی اور حبّ الوطنی کے سرٹیفکیٹ جاری کرنے والے خودساختہ'' محافظ اسلام'' کے لئے بزبان شاعر یہ بے لاگ مشورہ ہے کہ

محض غوغا نہیں اسلام کا دستور حیات ☆ تو مسلماں ہے تو اسلام کو بدنام نہ کر!

قصہ مختصر، پاکستان میں احمدیوں کے خلاف ایک مدت سے جاری ناانصافیوں کے متعلق بحثیت احمدی مسلمان، ہمارا قرآن پاک کے اس اٹل فرمان خداوندی پر غیر متزلزل ایمان ویقین ہے کہ: '' ہم دنوں کو انسانوں پر پھیرتے رہتے ہیں''!

یہاں دنوں سے مراد محض موسم گرما وسرما کے ایام ہی نہیں بلکہ جوروستم کی سیاہ رات کا چھانا یا احترام انسانیت کی نکہتوں سے مہکتی سحر کا بکھر جانا بھی مراد ہے۔اسلامی مساوات کے عظیم اصولوں کے نام پر معرض وجود میں آنے والی مملکت خداداد پاکستان (جس کے قیام واستحکام میں پاکستان کے احمدیوں کی مساعی ایک کھلی کتاب کی مانند ہے) میں عہدستم اور بے انصافیوں کے اندھیرے بالآخر چھٹ کر رہیں گے۔جن کی اوٹ سے انصاف، رواداری اور انسان دوستی کی کرنوں سے منور حقیقی اسلام کا آفتاب بھی جلوہ گر ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز

یہ عہد ستم، سلسلہء دار کہاں تک ☆ رستے میں اندھیرے کی دیوار کب تک
اے صبح! میرے دیس میں تو آ کے رہے گی ☆ روکیں گے تجھے شب کے طرفدار کب تک

کچھ جریدہ ٔہذا کے بارے میں !

زیرنظر شمارہ میں شہدائے گھٹیالیاں اور شہدائے تخت ہزارہ کے تذکرے کا مقصد جہاں شہدائے احمدیت اور ان کے لواحقین کو خصوصی دعاؤں میں یاد رکھنا پیش

نظر ہے ......وہاں دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے سرکردہ افراد (بشمول احراری صدر پاکستان) کے ان بیانات کی قلعی کھولنا بھی پیش نظر ہے جو دنیا کے مہذب انسانوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی اور جان و مال کا تحفظ حاصل ہے۔ چونکہ پاکستان میں احمدیوں کو بھی غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے لہذا اس نوعیت کے سفید جھوٹ کو طشت ازبام کرنا بھی اس مجلّہ کی پالیسی کا حصہ ہے اس کے علاوہ جن دیگر موضوعات پر جملہ مواد شامل اشاعت کیا گیا ہے' امید کہ قارئین اس کی بابت اپنی آراء سے آگاہ کرینگے تاکہ پرچے کو مزید دلچسپ اور معلوماتی بنایا جاسکے۔ موجودہ شمارے کو معلوماتی اور قارئین کی بھرپور دلچسپی کا حامل بنانے کی خاطر ہم اپنی کاوش میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں اُس کا بہتر فیصلہ یا جواب تو قارئین کرام ہی دے سکتے ہیں۔البتہ انصار بھائیوں سے ہم پھر گزارش کریں گے کہ وہ اپنی بیتی زندگیوں میں پیش آنیوالے یا مشاہدہ کئے جانیوالے دلچسپ اور ناقابل فراموش واقعات لکھ کر بھجوائیں۔ بعض بڑی عمر کے انصار بزرگ جو خرابی صحت یا کسی اور وجہ سے خود نہ لکھ سکتے ہوں تو وہ ماضی میں گزرے ہوئے دلچسپی کے حامل واقعات گھر میں کسی اور فرد سے لکھوا کر بھی بھجوا سکتے ہیں۔اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو آڈیو کیسٹ پر ریکارڈ کروا کر ارسال کردیں۔قابل اشاعت ہونے کی صورت میں انشاء اللہ پرچے کی زینت بنائے جائیں گے۔ایک گزارش ہم جریدے کی اردو کمپوزنگ کے حوالے سے یہ کرنی چاہتے ہیں کہ ٹورانٹو اور اس کے گردونواح میں مقیم ایسے احباب جو پرچے کے اردو مسودات کی کمپیوٹر پر کمپوزنگ کرسکتے ہوں اور خدمت دین کی خاطر رضاکارانہ طور پر ادارہ کا ہاتھ بٹانے میں تعاون کرسکیں تو ادارہ انھیں خوش آمدید کہے گا۔اس سلسلہ میں اگر کسی دوست کو اردو سافٹ ویئر کی ضرورت درپیش ہوئی تو وہ بھی مہیا کردیا جائیگا۔

قائدین اور ناظمین کرام سے گذارش ہے کہ اپنی اپنی مجالس کی مجلسی سرگرمیوں کی رپوٹس بمع تصاویر بغرض اشاعت بھجواتے رہا کریں۔

تبرکات

بعثت کا مقصد

سیدنا حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا کہ تا میں حلم اور خُلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اُس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں۔ اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہ راست پر چلاؤں۔ انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے دلائل اس کو ملیں جن کی رُو سے اس کو یقین آجائے کہ خدا ہے۔ کیونکہ ایک بڑا حصہ دنیا کا اسی راہ میں ہلاک ہو رہا ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کے وجود اور اُس کی الہامی ہدایتوں پر ایمان نہیں ہے۔ اور خدا کی ہستی کے ماننے کے لئے اس سے زیادہ صاف اور قریب الفہم اور کوئی راہ نہیں۔ کہ وہ غیب کی باتیں اور پوشیدہ واقعات اور آئندہ زمانہ کی خبریں اپنے خاص لوگوں کو بتلاتا ہے۔ اور وہ نہاں در نہاں اسرار جن کا دریافت کرنا انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے اپنے مقربوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳-۱۴)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی
محیر العقول سیاسی بصیرت و فراست

(دوست محمد شاهد۔ مؤرخ احمدیت)

ہمارے دیں کا قصوں پہ ہی مدار نہیں
نشان ساتھ ہیں اتنے کہ کچھ شمار نہیں

حقیقی اسلام کی حقانیت و صداقت کے دلائل و نشانات لاتعداد ہیں۔ سمندر کے قطرے، زمین کے ذرّے اور آسمان کے ستارے گنے جاسکتے ہیں مگر اسلام کی آیات بینات اور حجج قاطعہ کا احاطہ ممکن نہیں اور ہرگز ممکن نہیں اور طالب صادق اور حق کے متلاشی کے لئے تو امام عصر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی متعلق مصلح موعود (منقول از اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء) کا عالمی نشان ہی کافی ہے کیونکہ اس میں سیدنا محمود المصلح موعود (ولادت ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء۔ وفات ۷/۸ نومبر ۱۹۶۵ء) کی ولادت باسعادت سے بھی چار برس قبل ۵۲۔ ایسی مہتم بالشان صفات بیان کی گئیں جو آپ کی پوری زندگی، آپ کے شاندار کارناموں اور بے مثال اخلاق و شمائل پر حاوی اور آپ کی مقدس اور خدانما شخصیت کی عکسی تصاویر تھیں جن میں سے ہر ایک صفت اس صفائی، وضاحت اور شان و شوکت کے ساتھ معرض وجود میں آئی کہ اپنے ہی نہیں بیگانے بھی دنگ رہ گئے۔

مثلاً الہام میں بتایا گیا تھا کہ "وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا"۔ باوجودیکہ آپ ایک خالص مذہبی و روحانی جماعت کے پیشوا تھے مگر زمانہ حاضر کے چوٹی کے مسلم زعماء مثلاً مؤرخ اسلام سید عبدالقادر صاحب ایم۔اے، مولانا محمد علی جوہر، خواجہ حسن نظامی دہلوی، مولانا عبدالمجید سالک، جناب محمد ابراہیم برہم مدیر اخبار "مشرق" گورکھپور، مولانا محمد دین فوق مؤرخ کشمیر، میاں احمد یار خان دولتانہ، سید رئیس احمد صاحب جعفری، میاں محمد شفیع (م۔ش)، سردار شوکت حیات خان کو حضرت مصلح موعودؓ کی ذہانت و فراست کا لوہا ماننا پڑا۔ حتی کہ "مفکر احرار" چوہدری افضل حق جیسے معاند احمدیت بھی آپ کے عالی پایہ اور زبردست انقلابی دماغ کی قوت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔

قسط امروزہ میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی محیر العقول سیاسی بصیرت کی تین واقعاتی، تاریخی اور فیصلہ کن مثالیں پیش کرنا مقصود ہے جس سے یہ حقیقت چمکتے ہوئے سورج کی طرح پوری آب و تاب کے ساتھ کھل کر سامنے آجائے گی کہ جس طرح سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اشتہار ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء میں مصلح موعود سے متعلق پیشگوئی کے بارہ میں فرمایا تھا بلاشبہ یہ "**ایک عظیم الشان نشانِ آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے**"۔

پہلی مثال (تحریک آزادئ کشمیر)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"پاکستان یا ہندوستان میں ریاست ہائے کشمیر و حیدر آباد کی شمولیت کا فیصلہ بیک وقت ہونا چاہئے۔ خواہ حکمران یا خواہ عوام کو شمولیت کے فیصلہ کا مجاز قرار دیا جائے لیکن دونوں ریاستوں کے فیصلہ کا معیار ایک ہی ہونا چاہئے۔...... کشمیر کا پاکستان میں شامل ہونا اشد ضروری ہے کیونکہ اگر کشمیر ہندوستان میں شامل ہو گیا تو پاکستان کی سرحد پانچ سو میل لمبی ہو جائے گی اور حملے کا خطرہ بڑھ جائے گا"۔

(اخبار "زمیندار" لاہور۔ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵)

ازاں بعد حضور نے جماعت احمدیہ کے آرگن الفضل (۱۹ر اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں "کشمیر اور حیدر آباد" کے زیر عنوان ایک مفصّل مضمون بھی رقم فرمایا جس میں حکومت پاکستان کو زبردست انتباہ فرمایا کہ حیدر آباد اور کشمیر کی ریاستوں کے سوال متوازی ہیں مگر افسوس اس نے اب تک اس نہایت اہم پہلو کی طرف توجہ نہیں کی جبکہ ہندوستانی گورنمنٹ جلد جلد ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ شاید دونوں ریاستیں ہی ہندوستان میں شامل ہو جائیں۔ پس حکومت پاکستان کو اعلیٰ سطح پر ان دونوں ریاستوں کے متعلق فوری طور پر بیک وقت ایک اصول منوالینا چاہئے کہ وہ دو اصولوں میں سے کس کے مطابق فیصلہ چاہتی ہے۔ آیا والیٔ ریاست کی مرضی کے مطابق یا آبادی کی کثرت رائے کے مطابق۔ اس ضمن میں صاف صاف لفظوں میں آپ نے تحریر فرمایا:

"اس اصل پر فیصلہ ہو سکتا ہے کہ ملک کی اکثریت جس امر کا فیصلہ کرے اس طرف ریاست جا سکتی ہے۔ اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اور حیدر آباد ہندوستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ بتیس لاکھ مسلمان آبادی اس کی آبادی میں اور شامل ہو جائے گی، لکڑی کا بڑا ذخیرہ اس کو مل جائے گا، بجلی کی پیداوار کے لئے آبشاروں سے مدد حاصل ہو جائے گی اور روس کے ساتھ اس کی سرحد مل جانے کی وجہ سے اسے سیاسی طور پر بڑی فوقیت حاصل ہو جائے گی"۔

"پس ملک کے ہر اخبار، ہر انجمن، ہر سیاسی ادارے اور ہر ذمہ دار آدمی کو پاکستان کی حکومت پر زور دینا چاہئے کہ حیدر آباد کے فیصلہ سے پہلے کشمیر کا فیصلہ کروا لیا جائے ورنہ حیدر آباد کے ہندوستان یونین سے مل جانے کے بعد کوئی دلیل ہمارے پاس کشمیر کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گی سوائے اس کے کہ کشمیر کے لوگ خود بغاوت کر کے آزادی حاصل کریں۔ لیکن یہ کام بہت لمبا اور مشکل ہے۔ اور اگر کشمیر گورنمنٹ ہندوستان یونین میں شامل ہو گی تو یہ کام خطرناک بھی ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اس صورت میں اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دے گی اور کشمیر کو فتح کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان یونین آپس میں جنگ کریں"۔

(روزنامہ الفضل ۱۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔۲)

افسوس صد افسوس مسلم لیگی ہائی کمان نے مصلح موعودؓ کے اس بروقت انتباہ کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف چند روز بعد ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل بھارت نے کشمیر کو انڈین یونین میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا اور ہندوستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہو گئیں جس پر قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستانی افواج کو فوری طور پر کشمیر پر قبضہ کا فرمان صادر فرمایا مگر پاکستان کے ایکٹنگ کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلوڈ اوکنلک کی منظوری کے بغیر از خود کوئی حکم پاکستانی فوج کو جاری نہیں کر سکتا اور سپریم کمانڈر نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ کشمیر ہندوستان سے الحاق کر چکا ہے انڈین یونین کو مہاراجہ کشمیر کی درخواست پر کشمیر میں فوج داخل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اس پر قائداعظم نے اپنا آرڈر منسوخ کر دیا۔

(عہد لارڈ مانونٹ بیٹن مصنفہ کیمبل جانسن۔ مترجم یونس احمد۔ ناشر نفیس اکیڈیمی کراچی۔ ستمبر ۱۹۶۳ء)

جناب کے ایچ خورشید نے (جنہیں ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا قابل فخر اعزاز حاصل تھا) اپنی کتاب "قائداعظم کی یادیں" (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی ۱۹۹۱ء) کے صفحہ ۱۰۶۔۱۰۷ پر یہ لرزہ خیز انکشاف کیا ہے کہ:

"چوہدری محمد علی کا کہنا ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء تک بلکہ عین ۲۲/دسمبر کی تاریخ تک بھارت کے حکمران مصالحت پر آمادہ تھے۔ شرط یہ تھی کہ پاکستان کشمیر کا حق منوانے کے ساتھ ساتھ حیدر آباد دکن کی جغرافیائی حقیقت کو قبول کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے۔

محمد علی کا تاثر یہ ہے کہ قائداعظم جو برصغیر کی سیاست میں اپنا سکہ منوا چکے تھے اس موقع پر ایک زیرک شاطر کی طرح بھارت کو شرمات دینے کی فکر میں تھے۔ لیکن اس بار چال الٹ پڑ گئی۔ آزادی کے بعد بھارتی اور پاکستانی دونوں افواج کی سپریم کمان سر کلاڈ آکن لیک کے ہاتھ میں تھی جس نے پاکستانی دستوں کو کشمیر میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ چوہدری محمد علی کا خیال ہے کہ بطور گورنر جنرل پاکستان قائداعظم کے لئے یہ بہت بڑا دھچکہ تھا اور یہی سانحہ ان کی صحت کو لے بیٹھا"۔

دوسری مثال (المیہ مشرقی پاکستان)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲/دسمبر ۱۹۴۷ء سے ۱۷/جنوری ۱۹۴۸ء تک لاہور کے مینارڈ ہال کالج اور پھر پنجاب یونیورسٹی ہال میں "پاکستان اور اس کا مستقبل" کے اہم موضوع پر چھ نہایت معلومات افروز لیکچر زدئے جن میں بالترتیب جسٹس محمد منیر، ملک فیروز خان نون، ملک عمر حیات پرنسپل اسلامیہ کالج و وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، میاں فضل حسین صاحب وزیر تعلیم اور شیخ سر عبدالقادر جیسی نامور شخصیتوں نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔ ان لیکچروں کو علمی طبقہ میں نہایت قدر و عظمت سے سنا گیا اور پاکستانی پریس نے اس کے اہم نکات شائع کئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۶ تا ۴۳۷۔ مطبوعہ دسمبر ۱۹۷۰ء)

حضور کا تیسرا لیکچر "پاکستان کی معنوی دولت" کے عنوان پر تھا جس میں آپ نے دیگر اہم تجاویز پر روشنی ڈالنے کے علاوہ مسلم لیگی ہائی کمان کو خاص طور پر تاکید فرمائی کہ:

"مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔ اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان پر زور نہ دیا جائے کہ وہ ضرور اردو کو ذریعہ تعلیم بنائے ورنہ وہ پاکستان

سے علیحدہ ہو جائے گا کیونکہ وہاں کے باشندوں کو بنگالی زبان سے ایک قسم کا عشق ہے"۔

(الفضل ۱۴/دسمبر ۱۹۴۷ء، صفحہ ۱۔۲)

اب اگر تاریخ پاکستان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ بنگالی اردو لسانی تنازعہ ہی وہ بنیادی امر تھا جس نے بالآخر ایک عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور بالآخر سقوط ڈھاکہ پر منتج ہوئی۔ چنانچہ ملک کے نامور اہل قلم جناب ڈاکٹر صفدر محمود نے جنہیں سیاسیات پاکستان کی وقائع نگاری میں سند (Authority) تسلیم کیا جاتا ہے اپنی کتاب "پاکستان کیوں ٹوٹا؟" کے پہلے باب میں بنگالی مسلمانوں کے احساس محرومی اور کشمکش کے عمل کا آغاز اسی نقطہ کو قرار دیتے ہوئے واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ:

"فروری ۱۹۴۸ء میں مشرقی پاکستان سے ایک ہندو رکن ڈاکٹر دربند ناتھ دت نے دستور ساز اسمبلی کے ضوابط میں ترمیم پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بنگالی کو بھی سرکاری زبان قرار دیا جائے ......اس وقت تک اراکین اسمبلی انگریزی یا اردو میں اظہار خیال کر سکتے تھے۔ لیاقت علی خان نے تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے کہ کہ مذکورہ ترمیم کا مقصد پاکستانیوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ صرف اردو ہی پاکستان کی قومی زبان ہو گی۔...... بنگالیوں نے جنہیں اپنی زبان سے بہت محبت تھی اردو کی برتری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لسانی تنازعہ بالآخر تحریک کی شکل اختیار کر گیا اور بعض شکست خوردہ سیاستدانوں نے جنہیں مسلم لیگ میں شامل کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا عوام میں اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے مسلم لیگی حکومت کے خلاف اس تحریک کی حمایت کی۔ مرکز مخالف ان اجتماعی مظاہروں کو کمیونسٹوں کا فعال تعاون بھی حاصل تھا"۔ (صفحہ ۱۹۔۲۰)

حال ہی میں لاہور سے "دارالشعور" یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار نے جناب مرتضیٰ انجم صاحب کے قلم سے "حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ۔ المیہ مشرقی پاکستان کے سیاسی اور فوجی اسباب" کے عنوان سے سوا چار سو صفحات پر مشتمل کتاب شائع کی ہے جس کے شروع میں (حمودالرحمٰن کمیشن کے روبرو فوجی جرنیلوں اور افسروں کے بیانات سے قبل) ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا ایک دیباچہ بھی شامل کیا ہے جس میں فاضل مؤلف نے سقوط ڈھاکہ کے پس منظر کا خلاصہ ان الفاظ میں دیا ہے کہ:

"قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں پاکستان مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے خواجہ ناظم الدین کو اپنا لیڈر چن لیا لیکن ان کی حکومت جلد ہی مشکلات کا شکار ہو گئی۔ فروری ۱۹۴۸ء میں مرکزی اسمبلی میں قومی زبان کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ تجویز تھی کہ اردو اور بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اس کی سخت مخالفت کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اُردو پاکستان کے کسی حصے کی زبان نہ تھی جبکہ بنگالی زبان پاکستان کی کل آبادی کے ۵۶ فیصد شہریوں کی زبان تھی۔ جو سب کے سب مشرقی حصے میں رہتے تھے جبکہ بنگالی زبان مغربی حصے میں نہ ہی بولی اور نہ ہی سمجھی جاتی تھی۔ یہ لسانی بحث پاکستانی سیاستدانوں کے لئے چیلنج بن گئی جن کی وجہ سے مشرقی پاکستانی عوام میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اس طرح زبان کے مسئلے پر مشرقی بنگال اور مرکزی حکومت کے درمیان ایک ایسے تنازعے کی صورت پیدا ہو گئی جو بالآخر پاکستان کے ٹوٹنے کی بنیاد بن گیا۔

مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں میں اپنی زبانیں بولی جاتی تھیں لہٰذا ان صوبوں نے بنگالی کو قومی زبان قرار دئے جانے سے متعلق بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا جس طرح مسلمان ہندوستان میں رہ کر اپنے مذہب، تہذیب و تمدن کو خطرے میں محسوس کرتے ہوئے ہندوؤں کی بالادستی کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح بنگالیوں نے مغربی پاکستانیوں کے غالب طبقے کو اپنی تہذیب و تمدن اور روایات کے لئے خطرہ تصور کر لیا۔ جس کے نتیجہ میں پورا صوبہ مشرقی پاکستان فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ مقامی انتظامیہ فسادات پر قابو پانے میں ناکام رہی۔

مارچ ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم نے مشرقی پاکستان کا ایک ہفتے کا دورہ کیا اور اپنی تقریروں میں عوام کو مشورہ دیا کہ وہ متحد رہیں اور صوبائی وزارت کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ لسانی مسئلہ جو اس وقت موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ اس کے متعلق قائد اعظم نے دوٹوک فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کی صوبائی زبان بنگالی ہے اس سے کسی کو تعرض نہیں ہو سکتا۔ لیکن پورے پاکستان کی قومی زبان کا درجہ صرف اردو کو ملے گا۔ یہ اعلان بنگالیوں نے شکستہ دلی کے ساتھ سنا۔ مقامی اور قومی راہنما انہیں مطمئن نہ کر سکے۔ اگرچہ عارضی طور پر خاموشی چھا گئی لیکن یہ ایک ایسا فتنہ تھا جس نے بعد میں پھر سر اٹھایا اور نتائج کی ہولناکیوں کو ملک کی تقدیر سے جوڑ کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا"۔

("حمودالرحمن کمیشن رپورٹ۔ المیہ مشرقی پاکستان کے سیاسی اور قومی اسباب"۔ صفحہ ۱۲۔۱۳۔ اشاعت ستمبر ۲۰۰۰ء)

تیسری مثال

(پہلا امریکی قرضہ اور ہولناک نتائج)

حضرت مصلح موعودؓ نے 'پاکستان کا مستقبل' سے متعلق بصیرت افروز لیکچروں کے سلسلہ میں جو پہلا فاضلانہ لیکچر ارشاد فرمایا اس کی بازگشت ہندوستان میں بھی سنی گئی۔ چنانچہ امرتسر کے اخبار "ویر بھارت" نے ۱۳؍دسمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "امریکہ اور پاکستان" کے عنوان سے حسب ذیل شذرہ لکھا:

"احمدیوں کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۶۔ارب ڈالر کے اس قرضہ کے خلاف آواز اٹھائی ہے جو پاکستان امریکہ سے لینا چاہتا ہے۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ اس طرح پاکستان اقتصادی اور سیاسی طور پر امریکہ کا غلام بن جائے گا"۔

یہ "خیال" جو خلیفہ موعود نے ۵۳ سال قبل پاکستان کے مشہور سیاست دانوں، عظیم دانشوروں اور چوٹی کے ماہرین معاشیات کے سامنے پیش فرمایا تھا آج کس طرح ایک ہولناک حقیقت کا روپ دھار چکا ہے کسی مزید تبصرہ کا محتاج نہیں۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں مسلم لیگ ہم خیال گروپ کے سرکردہ راہنما اور معطل رکن اسمبلی طارق عزیز نے "ایک ٹیبل ٹاک" پروگرام میں یہ حقیقت افروز بیان دیا کہ:

"پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا جب اس ملک کے لئے پہلا قرضہ لیا گیا کیونکہ آج تک جتنے قرضے بھی لئے گئے وہ منفعت بخش کم ہی نظر آئے اور قوم کو لیت و لعل میں لگادیا گیا۔ کیونکہ جب ہم کسی غیر ملک سے قرض لیتے ہیں تو غیر ملکی دیمک بھی ساتھ آتی ہے اور اس دیمک نے ہمارے قومی تشخص کو چاٹنا شروع کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن نے جن اقوام کو مردہ اقوام کہا ہے ہم آج اس میں شامل ہو گئے ہیں......... آج حالات یہ ہیں کہ پاکستان میں لوگوں کو باعزت رزق نہیں مل رہا......... اور اب یہ منافقین کی قوم ہے جو کہتی کچھ، پڑھتی کچھ اور عمل کچھ کرتی ہے"۔

(روزنامہ "دن" لاہور ۲۷/جنوری ۲۰۰۱ء)

جناب طارق عزیز صاحب (نیلام گھر) نے امریکی امداد کے جن ہولناک اور حشر بپا کرنے والے نتائج کی طرف مصلحتاً استعارہ اور کنایہ کی زبان سے محض اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے ان کی تفصیل روزنامہ "دن" کے مندرجہ بالا پرچہ ہی میں "امریکہ سے وفاداری کا صلہ" کے عنوان کے ساتھ جناب پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے قلم سے منظر عام پر آگئی ہے۔ جس کو میں خالص تصرف الٰہی سمجھتا ہوں۔ آج ہمارا پیارا وطن پاکستان کس طرح امریکہ کے سیاسی شکنجہ میں زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہے اور اس کے عوام اور حکمران دونوں اس کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے کراہ رہے ہیں اس کا نقشہ پروفیسر صاحب نے بایں الفاظ کھینچا ہے:

"حکمرانوں نے امریکی ڈالروں سے اپنے ذاتی اکاؤنٹ کھولے اور اپنے بنک بیلنس میں اضافہ کیا۔ دوسرے ملکوں میں ہوٹل، پلازے اور محل تعمیر کئے۔ یہی حکمران عوام کی گردنوں پر ایک عرصے تک مسلط رہے مگر ملک و قوم کی بھلائی اور بہتر مستقبل کے لئے کوئی منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا سکے جس کے نتیجہ میں حکمران بھی عوام کی نگاہ سے گر گئے۔ اس صورت حال سے پاکستان بھی دوچار ہے۔ یہاں کرپشن کے پھیلاؤ میں حکمرانوں کی بے دریغ اقربا نوازی اور امریکہ کے اشارہ ابرو پر ان کے تحفظ کا اہتمام بجائے خود قابل مذمت ہے۔ اسی طرح جو حکومت امریکی مفادات کو عزیز رکھتی ہے اسے امریکہ کی اشیرباد حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق سے لے کر موجودہ جنرل پرویز تک امریکہ حکومت کی حاشیہ برداری کو اپنے استحکام کی خاطر ضروری سمجھتے چلے آرہے ہیں۔ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کھلے حلیف بن کر امریکہ کے پٹھو بننے پر فخر کرتے رہے۔ آئندہ برسر اقتدار آنے میں امریکہ کی حمایت کے بغیر ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اسی لئے یہ تین سوار اپنی اپنی جگہ موجودہ صدر کی نظروں میں آنے کی خاطر ہاتھ پاؤں ماریں گے اور اپنی اپنی وفاداری کا یقین دلانا ضروری سمجھیں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی فلاح کے لئے کیا ہوگا؟ کیا قرض معاف ہو جائے گا، کیا امریکہ پاکستان کو خوشحال بنانے کی خاطر کسی پیکیج کا اعلان کردے گا، کیا کشمیر کو پاکستان میں شامل ہونے میں کوئی بھولا ہوا وعدہ پورا کردے گا، کیا اپنے وفاکیش پاکستان کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے ہوئے بھارت کو آنکھیں دکھائے گا۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہاں یہ تینوں سوار اپنے گھوڑوں کا رخ امریکہ کے اصطبل کی طرف موڑنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ پاکستان میں خوشحالی قدم رکھے نہ رکھے ان کی بلا سے۔ یہاں سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہو یا نہ ہو یہاں صنعتوں کو فروغ حاصل ہو نہ ہو، مزدوروں کو ان کے حقوق ملیں نہ ملیں، تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے یا جہالت کے اندھیرے پھیلیں۔ لوگوں کو روزگار مہیا ہو یا نہ ہو۔ لوگ باہر جائیں یا اپنے ملک میں سسک سسک کر دم توڑتے رہیں ان کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ ان کا بینک مضبوط سے مضبوط تر ہوتا ہے۔ **اس وقت امریکی قیادت کو صرف یہ فکر لاحق ہے کہ پاکستان جو ان کی نگاہ میں ایک سٹریٹیجک اہمیت رکھتا ہے اسے کس طرح**

اپنے تصرف میں رکھا جائے۔ اگر ہم اپنی تعمیر نو میں اپنے وسائل سے کام لیتے اور مراعات یافتہ طبقے کا خاتمہ کرنے میں

تعمیر نو میں اپنے وسائل سے کام لیتے اور مراعات یافتہ طبقے کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو آج ہم دنیا کے خوشحال ترین ملکوں میں شمار کئے جاتے مگر ہم تو وفادار ٹھہرے وہ بھی امریکہ بہادر کے۔ حالانکہ مرزا غالب نے ایسی وفا پر لعنت بھیجی ہے۔ ؎

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو"

☆......☆......☆......☆

حرفِ آخر

حقائق اور مستند واقعات پر مبنی مندرجہ بالا تینوں مثالیں حیرت انگیز بھی ہیں اور قیامت خیز اور عبرت آمیز بھی جن کے مختصر تذکرہ کے بعد مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے محسن اور معمارِ پاکستان کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کے مجاہدانہ کارناموں کو ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا وہاں قیامت تک ہر نسل خلیفہ موعود سیدنا محمود المصلح موعود کی بے مثال اور عدیم النظیر سیاسی بصیرت و فراست کو خراجِ تحسین ادا کرتی رہے گی ؎

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارو
یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد

(الفضل انٹرنیشنل)

رضائے الٰہی

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو
مٹ جاؤں میں تو اس کی پروا نہیں ہے کچھ بھی
میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو
سینہ میں جوشِ غیرت اور آنکھ میں حیا ہو
لب پر ہو ذکر تیرا دل میں تری وفا ہو
شیطان کی حکومت مٹ جائے اس جہاں سے
حاکم تمام دنیا پہ میرا مصطفےٰ ہو
محمود عمر میری کٹ جائے کاش یونہی
ہو روح میری سجدہ میں سامنے خدا ہو

(کلام محمود)

جناب مولانا محمد علی جوہر ایڈیٹر ہمدرد اخبار دہلی رقمطراز ہیں:۔

"ناشکر گزاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف تبلیغ اور مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی درجہ سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدماتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں۔ مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ جن اصحاب کو جماعت قادیان کے اس جلسہ عام میں جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم و طریق کار پر اظہارِ خیالات فرمایا۔ شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

(اخبار ہمدرد دہلی ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وصال پر "صدق جدید" کا تعزیتی نوٹ

"**امام جماعت احمدیہ کا انتقال** کراچی سے خبر شائع ہوئی ہے کہ جماعت احمدیہ (قادیانی) کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کا ۸ نومبر کو رَبْوہ میں انتقال ہوگیا۔ مہینوں کیا برسوں سے سخت بیمار چلے آتے تھے۔ اور یہ طویل اور شدید بیماری کلمہ گو کے لیے بجائے خود گناہوں کو دھونے والی اور ان کا کفارہ کر دینے والی ہے۔ دوسرے عقیدے ان کے جیسے بھی ہوں قرآن و علوم قرآنی کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں ان کا صلہ اللہ انہیں عطا فرمائے۔ اور ان کی خدمات کے طفیل میں ان کے ساتھ عام معاملہ درگزر کا فرمائے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق و معارف کی جو تشریح تبیین و ترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے۔"

(عبد الماجد دریاآبادی ۱۸ نومبر ۱۹۶۵ء صدق جدید)

مولانا محمد اسمٰعیل منیر (واقف زندگی)

احمدیت کی برکات

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے متعدد بار تحریک فرمائی ہے۔کہ احمدی خاندان اپنے بزرگوں کی روایات وخدمات جمع کریں۔تا ان کی اولادوں کو پتہ چلے۔کہ ان کے خاندان کو احمدیت سے کیا برکتیں نصیب ہوئی ہیں۔تا ان کے اندر ان پاک روایات کو آگے بڑھانے کا جذبہ پیدا ہو۔اور احمدیت کی خدمت کرکے دین و دنیا میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کریں۔ہم انصار بھائیوں کوحضور کے اس اہم ارشاد کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہیئے۔اگر وہ یہ حالات لکھ نہیں سکتے۔تو اپنی گھریلو مجالس میں ٹیپ ریکاڈرر VCR کے ذریعہ آڈیو روڈیو تیار کر کے انکا استعمال کرنا شروع کر دیں۔تو وہ کتابوں سے بہتر رنگ میں ہماری آئندہ نسلوں کی رہنمائی کی ضامن بن سکیں گی۔

ابتدا میں عاجز اپنے والد میاں فضل کریم صاحبؓ کی تین روایات درج کرتا ہے۔یہ روایات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر مکرم شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ نے ۱۹۳۷ء میں صحابہ سے سن کر جمع کی تھیں۔یہ رجسٹر خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں۔

میاں فضل کریم صاحب صحابیؓ حضرت اقدس نے فرمایا۔

۱۔"اس عاجز نے بیعت تو بذریعہ خط ۱۹۰۵ء سے پہلے ہی کی تھی۔مگر پھر جب میں ۱۹۰۵ء میں قادیان گیا اور جا کر دستی بیعت کی اور حضورؑ سے واپس آنے کی اجازت مانگی۔تو حضورؑ نے فرمایا۔کہ ابھی چند روز اور ٹھہرو۔اسکے بعد پھر میرے اجازت طلب کرنے پر حضور اقدسؑ نے اجازت دے دی۔اس کے بعد حضور اقدسؑ سے کوئی وظیفہ پڑھنے کی درخواست کی۔تو حضور نے فرمایا۔کہ درود شریف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔وہی پڑھا کرو"۔

۲۔"پھر دوسری دفعہ ۱۹۰۶ء میں ہم پانچ چھ آدمی مل کر گئے۔(میرے نانا کے بھائی میراں بخش صاحب کی روایت صفحہ ۱۲ رجسٹر ۳ میں یہ پانچ نام درج ہیں۔۱۔میراں بخش صاحب ۲۔میاں فضل کریم صاحب۔۳۔میاں فضل دین صاحب ۴۔میاں غلام رسول صاحب ۵۔اسمٰعیل صاحب) تو اس وقت ہم کچھ حنا اور چند ایک روغنی ہانڈیاں بطور تحفہ لے گئے تھے۔جب حضورؑ کو معلوم ہوا۔کہ ہم درزی ہیں۔تو حضورؑ نے ہم کو کچھ کپڑے سینے کو دیئے۔اور باورچی کو کہا کہ انکو کچھ اچھا کھانا دو۔لیکن ہم نے عرض کیا۔کہ حضورؑ ہم کو کچھ پس خوردہ مرحمت فرمائیں۔چنانچہ وہ بھی اندر سے آتا رہا۔اور جب کام ختم ہو گیا۔تو ہم واپس آنے لگے۔تو ہم نے دعا کے لئے درخواست کی۔چنانچہ حضورؑ نے ہم سب کو اندر بلا کر کھڑے ہو کر دعا کی۔اور وہ دعا ابھی تک ہم کو یاد آتی ہے۔اس کے بعد ہم سے کپڑوں کی مزدوری دریافت کی۔جو ہم لینا نہیں چاہتے تھے۔لیکن حضورؑ کے اصرار پر ہم نے حضورؑ کے کُرتے مانگے۔تو ہم کو اندر سے ایک ایک کُرتا مل گیا۔جو ابھی تک ہمارے پاس محفوظ ہے"۔

(یہ کرتہ محترم والد صاحب کی وفات ۱۹۳۹ء تک محفوظ رہا۔بعد میں بعض احمدی رشتہ داروں نے والدہ صاحبہ سے کچھ ٹکڑے مانگے جو اُن کو مل گئے۔اور اب باقی اس کے ٹکڑے میرے بچوں عزیزم محمد داؤد صاحب منیر ہوسٹن امریکہ ۲۔ڈاکٹر محمد ادریس صاحب کیلیفورنیا امریکہ ۳۔عزیزم محمد الیاس صاحب منیر مربی سلسلہ فرینکفورٹ جرمنی ۴۔عزیزی ناصرہ بابرہ ربوہ کے پاس بھی محفوظ ہیں۔)

۳۔پھر ۱۹۰۸ء میں جب حضور اقدسؑ لاہور تشریف لائے۔میں ایک مکان بنوا رہا تھا۔میں اپنی بیوی کو لے کر جو کہ بیمار تھی۔حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور دعا کے لئے درخواست کی۔حضور نے فرمایا۔کہ بچے کا دودھ چھڑا دو۔اور ہم دعا کریں گے۔وہاں پر خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک خاص لیکچر کا انتظام کروایا ہوا تھا۔جس پر ہمارے منشی احمد دین صاحب نے ایک رقعہ کے ذریعہ اندر جانے کی اجازت طلب کی۔اور لیکچر سنا۔12:30 بجے خواجہ صاحب نے حضورؑ سے عرض کیا۔کہ اب لیکچر بند کر دیں۔لوگ کھانا کھانا چاہتے ہیں۔لیکن حضور نے جواب دیا۔کہ ہم نے بھی صرف دوا ہی پی ہے۔اس پر سامعین میں سے ایک نے کہا۔کہ وہ کھانا تو ہم ہر روز کھاتے ہیں۔یہ روحانی کھانا کبھی کبھی ملتا ہے۔اس لئے اسے جاری رکھا جائے۔اس پر حضور اقدسؑ نے ایک گھنٹہ مزید تقریر فرمائی۔اور ہم واپس گوجرانولہ آ گئے۔(رجسٹر روایات صحابہ ۳ ص ۳۶۔۳۷)

میرے والد میاں فضل کریم صاحب صحابی حضرت اقدس مسیح موعودؑ اپنے خاندان میں چھ بھنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔اور خاندان میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔بیس سال کی عمر میں آپ کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔اِس کے بعد خاندان والوں نے آپ کی خوب مخالفت کی یہاں تک کہ آپ کے مکان اور کپڑے کی دوکان کی آٹھ دس دفعہ چوریاں بھی کروائیں۔تاکہ کسی طرح یہ احمدیت سے واپس آ جائیں۔مگر آپ کا ایمان اِن مصائب میں بھی مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔(اور آج اللہ تعالیٰ نے یہ نشان دکھایا ہے۔کہ اس خاندان کے بڑوں کی اولادیں

تو ختم ہوگئی ہیں۔اور اس ایک فرد کی جس نے احمدیت قبول کی اولاد سینکڑوں بن کر دنیا کے ہر برِ اعظم میں پھیلی پڑی ہے۔اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔کہ تیرے دلی محبوں کے نفوس و اموال میں برکت ڈالوں گا۔ وہ آپ کے حق میں ہر روز پورا ہوتا چلا جا رہا ہے۔آپ کے بیٹوں. بیٹیوں. پوتوں پڑ پوتوں۔نواسوں اور پڑ نواسیوں کو دنیا کے کناروں تک اللہ تعالیٰ نے پھیلا دیا ہے۔ جو آپ کی جماعت کے لئے جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔)

دین کو دنیا پر مقدم رکھا:

خلافتِ اولیٰ میں آپ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔جس کی وجہ سے حضرت خلیفہ المسیح الاولؓ نے آپ کو درزی کا کام چھوڑ کر تجارت کی طرف توجہ دلائی۔تو آپ نے اپنے غیر احمدی دوستوں کے ساتھ مل کر پنساری کی دوکان کھولی۔جمعہ کا دن آیا۔تو آپ نے نماز کے لئے دوکان بند کی۔اور اپنے دوسرے ساتھی کو بھی نماز جمعہ کے لئے چھٹی دے دی۔جس نے اپنے مالک کو جاکر جمعہ کے وقت دوکان کی بندش کی خبر سنائی۔آپ کا غیر احمدی دوست اس پر چیں بہ چیں ہوا۔کہ باقی سب دوکانیں کھلی رہیں اور ہماری دوکان بند ہوگئی ۔ جس کا ہمیں نقصان ہوا ہو گا۔پس آئندہ سے دوکان کھلی رہا کرے۔ایک جمعہ آپ چھٹی کریں اور دوسرے جمعہ اُس کا نمائیدہ چھٹی کرے گا۔جب آپ نے اپنے دوست کا یہ فیصلہ سنا۔تو کہنے لگے کہ میں تو خدا کے حکم کے مطابق نماز جمعہ کی آذان سن کر مسجد کی طرف دوڑ کر جاؤں گا۔ اور تجارت کے اڈے کو بند کروں گا۔اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو یہ لیں چابیاں۔میں ایسی دوکان داری سے باز آیا۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا پسند آئی۔اور آپ کو کپڑے کی بہتر دوکان کھولنے کی توفیق دی۔جس سے آپ کو جماعت کی خدمت کا بھی خوب موقعہ ملتا رہا۔مجھے بچپن کا واقعہ نہیں بھولتا۔ پرائمری سکول سے چھٹی ملنے پر گھر آتا۔تو والدہ صاحبہ چند دوستوں کا کھانا دیتیں۔جو دوکان پر لے جاتا۔تو وہاں دیہات سے آنے والے احمدی دوست بیٹھے دیکھتا۔کوئی الفضل پڑھ رہا ہوتا۔تو دوسرا الفاروق تیسرا ریویو آف ریلیجنز پڑھ رہا ہوتا۔سارے احمدی اخبار و رسائل دوکان پر منگوائے جاتے تھے۔تا دیہات کے احمدیوں کی خدمت ہو سکے۔اِس طرح ان کو مادی اور روحانی دونوں کھانے خوب میسر آتے۔اور ساتھ ساتھ اِن کتب و اخبارات سے تبلیغ کا کام بھی خوب چلتا۔یہ زمانہ آپ کی وفات ۱۹۳۹ء سے پہلے کا تھا۔ جبکہ ہر قسم کی آزادی میسر تھی۔

۱۔ برکتیں جاری ہیں:

احمدیت کی برکتیں آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے خاندان کو مل رہی ہیں۔بلکہ بڑھتی جا رہی ہیں۔آپ کے ایک بیٹے اس عاجز کو میٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۴۴ء میں وقفِ زندگی کرنے کی توفیق ملی۔جب کہ میر محمدؐ اسحاق صاحب کی وفات پر حضرت المصلح موعودؓ نے اپنے خطباتِ جمعہ میں وقف کی تحریک فرمائی۔پھر حضور کے ارشاد کی تعمیل میں جامعہ احمدیہ سے تعلیم مکمل کر کے ۱۹۵۱ء میں سری لنکا پھر مشرقی افریقہ پھر ماریشس پھر مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے کی توفیق ملی۔مرکز میں قیام کے دوران پروفیسر جامعہ احمدیہ۔سیکرٹری نصرت جہاں۔ سیکرٹری حدیقۃ المبشرین اور ناظر تعلیم القرآن وقفِ عارضی کی ڈیوٹیاں سرانجام دیں۔اور ساتھ ساتھ آنریری کام بحثیت مہتمم اطفال الاحمدیہ۔ قائد اصلاح و ارشاد انصار اللہ۔رکن مجلس کارپرداز بہشتی مقبرہ۔قاضی مرکزی۔ممبر مجلس افتاء بھی سرانجام دینے کے مواقع اللہ تعالیٰ نے بہم پہنچائے۔الحمد اللہ۔

میرے وقف کرنے کے بعد میرے خاندان سے ۳۰/۳۵ افراد نے وقف میں حصہ لیا۔ اور مربی بن کر جماعتی خدمات میں مصروف ہیں۔انہی میں سے ایک عزیزم عبد الماجد صاحب طاہر ایڈیشنل وکیل التبشیر ڈیوٹی پر ہیں۔اور عبدالمنان صاحب طاہر وکالتِ تبشیر میں ہیں۔اور اب ہمارے بیسیوں بچے وقفِ نو کے جہاد میں شامل ہیں. اللھم زد فزد.

۲۔درویشی کا اعزاز:

اسی طرح جماعت کی خدمت کا ایک عظیم الشان اعزاز میرے بڑے بھائی ماسٹر محمد ابراہیم صاحب کی وجہ سے ہمارے خاندان کو ملا۔بھائی جان ۱۹۴۷ء میں حفاظتِ مرکز کی خاطر کراچی جماعت سے دو ماہ وقف کر کے قادیان پہنچے۔پھر آپ کا نام قادیان کے لئے درویشوں میں آ گیا۔اور آپ وہیں کے ہو رہے۔آپ اور آپکے آٹھ بچے بچیاں قادیان کی خدمت میں ہر دم مصروف ہیں۔اور ۱۹۹۱ء کے جلسہ قادیان میں حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے درویشانِ قادیان زندہ باد کا نعرہ لگا کران سب کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔

۳۔ اسیروں کا سردار:

پھر ایک اور اہم اعزاز ہمارے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے عزیزم محمد الیاس صاحب منیر سابق مربی ساہیوال کے ذریعے بخشا۔کہ آپ کو مشہور مقدمہ ساہیوال میں اہم فریق بنا کر جنرل ضیاء الحق صدرِ پاکستان نے موت کی سزا سنائی۔جس کو سن کر آپ نے جیل میں ڈپٹی کمشنر کے سامنے ہی الحمد اللہ پڑھا۔جس کو سن کر DC بھی حیران رہ گیا۔اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عزیزم کو دس سال جیل میں ثابت قدمی سے احمدیت کا شاندار نمونہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔اور خدائی بشارتوں کے مطابق وہ اپنے ساتھیوں سمیت جیل سے دس سال بعد رہا ہو کر دنیائے احمدیت کے لئے خوشی کا باعث بنے۔اور آپکو سزا دینے والا جنرل ضیاء الحق آگ کے عذاب سے دوچار ہوا۔

اور اس کی خاک بھی کچھ تو ہوا نے اڑا دی اور رہی سہی باقی دریائے ستلج کے سیلاب نے بہا کر سمندر میں پہنچا دی۔

جب عزیزم محمد الیاس صاحب منیر جیل سے رہا ہو کر براستہ جرمنی یوکے کے جلسہ سالانہ ۱۹۹۶ء میں پہنچا۔تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سٹیج پر بلا کر گلے لگایا۔اور فرمایا۔کہ یہ اسیروں کا سردار ہے۔جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی تھی۔کہ وہ جیل سے آزاد ہو کر یہاں اسلام آباد جیسی شاندار فضا میں مجھ سے ملے گا۔سو آج یہ نشان بھی پورا ہوا۔اس نظارے کو ساری دنیا نے MTA پر دیکھا۔اور کئی دوستوں نے بتایا۔ کہ اسوقت وہ رشک کی نگاہوں سے عزیزم محمد الیاس صاحب منیر کو دیکھ رہے تھے۔اور دل میں خواہش تھی۔کہ آج وہ سٹیج پر ہوتے۔عزیزم آج کل فرینکفورٹ (جرمنی) میں مربی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ ساتھ سیکرٹری اشاعت کے فرائض بھی سر انجام دے رہے ہیں۔گویا حضرت یوسفؑ کی سنت کو پورا کرنے کے لئے مادی دانوں کی جگہ روحانی دانے بکھیر رہے ہیں۔

۴۔اعزازی خدمات۔

یہ سلسلہ بھی ہمارے افراد خاندان کا ہر برِ اعظم میں پھیلا ہوا ہے۔میری آنکھوں کے سامنے وہ ہمارے بچے اور بچیاں نظر آ رہی ہیں۔جو آسٹریلیا، جاپان فجی، برطانیہ، افریقہ اور نارتھ امریکہ میں مختلف جماعتی خدمات میں دن رات ایک کر رہے ہیں۔یہاں کینیڈا میں ہماری دو بہنوں کے بچوں نے مختلف ذمہ داریاں سنبھال رکھی ہیں۔میاں ندیم محمود نیشنل سیکرٹری مال کے علاوہ کمپیوٹر سیکشن میں بھی کام کر رہے ہیں۔ان کے چچا میاں سلیم صاحب نائب صدر انصار اللہ اور سمعی و بصری شعبہ کے اعلیٰ کارکن ہیں۔ان دونوں کے ساتھ ان کا سارا خاندان ہی جماعتی خدمات کے لئے وقف ہے۔اور میاں ندیم اور میاں نعیم کی بیگمات لجنہ کے کاموں میں خوب مصروف نظر آتی ہیں۔اور جلسوں میں انگریزی میں عمدہ تقاریر کرنے والیوں میں شامل ہوتی ہیں۔

اسی طرح مہمان نوازی میں چائے پلاتے ہوئے مرزا محمد امین بھی ہر مجلس میں نظر آتے ہیں۔اسی طرح عزیزم خالد کھوکھر (سابق) قائد مجلس خدام الاحمدیہ ویسٹن ساؤتھ نے گذشتہ سال مجالس خدام الاحمدیہ کینیڈا میں تیسرا مقام لے کر اپنے خاندان کی عزت کو چار چاند لگائے ہیں۔

ہوسٹن کی جماعت میں عزیزم محمد داؤد صاحب منیر سیکرٹری تبلیغ کو کبھی تبلیغی چارٹس کی تیاری میں دن رات مصروف دیکھا۔تو کبھی تبلیغی آڈیوز بناتے ہوئے اور سان ہوزے کیلیفورنیا امریکہ میں عزیزم محمد ادریس صاحب منیر کو سمعی بصری کے شعبہ میں خدمت کرنے میں پایا۔

الحمد اللہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سارے عزیزان کو جماعتی خدمات میں آگے ہی آگے بڑھنے کے مواقع عطا فرمائے ہیں۔اور انہی جماعتی خدمات کا پھلیہ ہے۔کہ مادی دنیا ان کی ترقی کے سامان مہیا کر رہی ہے۔الحمد اللہ

آخر میں درخواستِ دعا ہے۔کہ احمدیت کے باغ میں میاں فضل کریم صحابی نے جو ایک پودا آج سے ایک سو سال قبل لگایا تھا۔وہ ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے۔اور اس کے پھل اور پھول ہمیشہ باغِ احمدیت کی رونق کو بڑھانے والے بنیں۔اور احمدیت کی برکتیں حاصل کر کے انہیں آگے بڑھانے والے ثابت ہوں۔آمین۔

خصوصی درخواست دعا

احباب جماعت سے پاکستان میں جملہ اسیران راہ مولا کی جلد از جلد باعزت رہائی نیز مختلف مقدمات میں ملوث افراد جماعت کی باعزت بریت کے لئے دردمندانہ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان بھائیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہر شر سے بچائے۔اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم۔

دعا بحضور سرکار محبت

(از منظوم کلام حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اے شاہ زماں خالق انوار محبت
اے جانِ جہاں! رونق گلزار محبت

کوچہ میں ترے گرم ہے بازار محبت
"سر بیچے پھرتے ہیں خریدار محبت"

ہم کو بھی عطا ہو کہ تری عام ہے رحمت
اک سوز دروں خلعت دربار محبت

شعلہ سا ترے حکم سے سینوں میں بھڑک جائے
پھر بجھ نہ سکے تا بہ ابد نار محبت

ہاتھوں میں لئے کاسۂ دل آئے ہیں مولا
خالی نہ پھریں تیرے طلب گار محبت

(آمین)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کی پُرشفقت یاد

از: کرنل دلدار احمد (ریٹائرڈ)

جن دنوں خاکسار راولپنڈی (پاکستان) میں تعینات تھا۔ حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ اسلام آباد (پاکستان) تشریف لائے۔ اور بیت الفضل گیسٹ ہاؤس میں قیام فرمایا۔ خاکسار بمع فیملی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔

حضور نے کمرۂ ملاقات میں تشریف لاتے ہی فرمایا۔ "کل ایک جگہ پر ہم نے تمہیں یاد کیا۔ بتاؤ کون سی جگہ تھی۔" مَیں حیران ہوا کہ میں بھی کوئی ایسی چیز ہوں۔ جسے خلیفہ عالی مرتبت وقت جیسی عظیم المرتبہ ہستی یاد کرے۔ وہ خلیفہ وقت جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لوگ ہزاروں میل کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ چونکہ یہ بات میرے تصور سے بھی بلند تھی کہ میرے جیسے حقیر انسان کو حضور یاد کریں گے۔ اس لئے عرض کیا۔ "حضور مجھے تو کچھ یاد نہیں۔" اس پر حضور نے نہایت محبت سے فرمایا۔ "یاد کرو وہ پُل سالگراں۔ مری سے وہاں تک تم نے ہمارا پیچھا کیا تھا۔" کیا شان تھی حضور کی اپنے غلاموں سے اظہار شفقت کی۔ حضور نے اظہارِ شفقت کی خاطر 15 سال قبل کے ایک واقعہ کی یاد دلا دی تھی۔

واقعہ یوں تھا کہ حضور اپنی خلافت کے ابتدائی سالوں 66ء 67ء میں جبکہ خاکسار مری میں تعینات تھا۔ مری تشریف لائے اور بھوربن ریسٹ ہاؤس میں قیام فرمایا۔ ان دنوں خاکسار کو طویل ملاقاتوں کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ ان ملاقاتوں میں حضور کا سب سے دلچسپ موضوع فرقان فورس (جہادِ کشمیر میں جماعت احمدیہ کی رضا کار بٹالین) ہوا کرتا تھا۔ خاکسار کو بھی فرقان فورس میں رضا کار کے طور پر خدمت کی توفیق ملی تھی۔ چنانچہ فرقان فورس کا جب بھی ذکر آیا۔ حضور بہت دیر تک اس پر مصروفِ گفتگو رہتے۔ اور بہت دلچسپ اور ایمان افروز واقعات بیان فرماتے۔

حضور کے سفر کی روانگی عموماً علی الصبح ہوا کرتی تھی۔ حضور کا جس روز مری سے واپسی کا پروگرام تھا۔ میں حضور کو الوداع کہنے کی غرض سے حضور کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن میں ابھی راستہ ہی میں تھا۔ کہ حضور کا قافلہ مری سے واپس جاتا ہوا نظر آیا۔ وقت پر نہ پہنچ سکنے کا بہت قلق ہوا۔ اس لئے میں نے اپنی کار کا رخ موڑ کر حضور کے قافلہ کے پیچھے لگا لیا۔ اور پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ مقام آ گیا۔ جہاں سے میدانی علاقہ شروع ہوتا ہے۔ اور جس کا نام "پُل سالگراں" ہے۔ اس پُل کے پاس پہنچ کر حضور کا قافلہ یک دم رک گیا۔ اور حضور کا ایک خادم دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ حضور تمہیں بلا رہے ہیں۔ میں بہت ڈرا۔ کہ حضور فرمائیں گے۔ کہ ہمارا پیچھا کیوں کر رہے ہو۔ لیکن جب میں پاس پہنچا۔ تو اس سراپا محبت وشفقت وجود نے نہایت ہی پیار سے فرمایا۔ "جزاکم اللہ۔ اب آپ جائیں۔"

1981ء میں جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ عالمگیر ربوہ کے موقع پر اس عاجز کی ڈیوٹی بطور نائب افسر خدمتِ خلق تھی۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں حکومت پاکستان کے رولز کے مطابق کھلے عام ہتھیار لے کر نکلنا ممنوع تھا۔ جلسہ کے ایک دن پولیس کا ایک سپاہی سول کپڑوں میں ملبوس رائفل لے کر گول بازار سے گذر رہا تھا۔ اُس کو ہمارے ایک خادم نے پکڑا اور تھانے لے گیا۔ لیکن تھانے والوں نے جہاں اس سپاہی کو پکڑ کر قید کر لیا۔ وہاں ہمارے اس خادم کو بھی detain کر لیا۔ خاکسار اپنے خادم کو چھڑانے کے لئے تھانہ گیا اور اسے رہا کروا لایا۔ اپنے معمول کی رپورٹ میں اس واقعہ کی بھی حضور کی خدمت میں رپورٹ پیش کی گئی۔ حضور جلسہ سالانہ کے آخری دن کی تقریر کے لئے جب جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ تو حضور نے اِس عاجز کو طلب فرمایا۔ اور حکم دیا۔ کہ ہمارا وہ کارکن جس نے پولیس کے آدمی کو پکڑا تھا۔ کو ابھی ظہر وعصر کی نمازوں کے بعد میرے پاس لاؤ۔ خاکسار "بہتر حضور" کہہ کر اِس فکر میں مبتلا ہو گیا کہ ظہر و عصر کی نمازوں کی ادائیگی میں تو بمشکل پندرہ۔ بیس منٹ لگیں گے۔ اِس قلیل وقت میں مَیں اُس شخص کو دو لاکھ کے مجمع سے کیونکر ڈھونڈ سکوں گا۔ اِس فکر کے باعث دعا کی طرف توجہ مبذول ہوئی اور اپنے موٹر سائیکل سواروں کے دستہ کے انچارج کے پیچھے بیٹھ کر اُسے ربوہ کے گول بازار کا چکر لگانے کو کہا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے دوسرے ہی چکر میں وہ خادم نظر آ گیا۔ اور نماز ظہر وعصر کے اختتام کے ساتھ ہی خاکسار نے اُس خادم کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے اُس خادم اور اِس عاجز پر بہت ہی شفقت کا اظہار فرمایا۔

اسی جلسہ کے اختتام کے اگلے روز بیرونی ممالک کے وفود کی حضور سے ملاقاتیں تھیں۔ یہ ملاقاتیں کئی گھنٹے تک جاری رہیں۔ اور اس دوران حضور مسلسل کھڑے رہے اور ہر ملک کے ہر رکن سے حضور نے معانقہ فرمایا۔ اور اس طرح کئی گھنٹے لگاتار حضور کھڑے رہے۔ چونکہ میں بھی حضور کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی کی غرض سے کھڑا تھا۔ میری ٹانگیں درد کرنے لگیں۔ اور میں تھکاوٹ سے چور تھا۔ لیکن حضور رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر حیران ہوتا رہا۔ جو ستر سال سے زیادہ عمر اور ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے باوجود کسی قسم کی تھکن ظاہر کئے بغیر ہر ایک ملنے والے کے لئے بے پناہ محبتیں اور مسکراہٹیں بکھیر رہے تھے۔

1981ء کے دوران ربوہ میں ماہ مارچ کے دوران منعقد ہونے والے سالانہ گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ کے موقعہ پر اس عاجز کی ڈیوٹی بطور چیف جج تھی۔ سخت بارش کے باعث اکثر مقابلے نہ ہو سکے۔ لیکن اختتامی تقریب جس میں تقسیم انعامات اور حضور

انور کے ساتھ تمام شامل ہونے والے۔ منتظمین اور ججز کا کھانا شامل تھا۔منعقد ہوئی۔حضور انور نے اپنے خطاب میں بارشوں کے موسم میں بھی گھوڑ سواری کی اہمیت اورضرورت کی وضاحت فرمائی۔اور بارشوں کے دوران ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کراس کنٹری برائے رابطہ کی ضرورت کا اظہار فرمایا۔

تقسیمِ انعامات میں خصوصی انعام منصفین کو بھی ملے۔چنانچہ کھانے کے دوران حضور نے اچانک اِس عاجز کی طرف دیکھ کر فرمایا۔"تمہیں انعام کس چیز کا ملا ہے۔" چونکہ مقابلے سوائے ایک دو کے باقی بارش کی نظر ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ انعام تو مفت میں ہی تھا۔اُسی انداز میں جھٹ جواب دے دیا۔کہ

"حضور مفت میں"

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی یہ یادیں مجھ حقیر پُرتقصیر کے لئے ایک عظیم سرمایہ حیات ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت خلیفہ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔آپ کی مقدس اور مطہر روح پر انوار و برکات کی بارش برسائے۔اور آپ کے درجات تا ابد بلندتر فرماتا چلا جائے۔آمین۔

خدا کی حکمتوں پر ایمان لانے میں برکت ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں۔

"ایک بچہ درزی کو دیکھے کہ اس نے تمام تھان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو وہ گھبرا اٹھتا ہے۔ کیونکہ نہیں جانتا کہ یہ ٹکڑے ایک اعلیٰ ملبوس بننے والے ہیں اسی طرح اللہ کے مصالح اکثر نادانوں سے مخفی رہتے ہیں۔وہ ظاہری صورت دیکھ کر چلا اٹھتے ہیں۔

گلستان میں ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ لنگڑا ہو گیا اور ایک دن بیگار میں لوگوں کو پکڑ رہے تھے اسے چھوڑ گئے تو وہ خدا کا شکر بجا لایا۔

قرآن شریف میں (حضرت) موسیٰؑ اور خضر کا قصہ ہے خضر نے ایک کشتی کو عیب ناک کر دیا اور بعد میں اس کی حکمت ظاہر ہوئی۔

پس ہمیں چاہئے کہ خدا کی حکمتوں پر ایمان لائیں اور اس کے حکم مانیں۔"

(حقائق الفرقان جلد اول ص 133)

والدین کی ذمہ داری

حضرت خليفة المسيح الثالثؒ فرماتے ہیں:

"اولاد کی تربیت اور اس کو قرآن کریم پڑھانے کی اصل ذمہ داری والدین پر ہے۔انہیں اس کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ ان سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اس نعمت یعنی قرآن کریم سے جو انہیں حاصل تھی کیوں محروم کر دیا"۔الفضل ۲۶ فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۳)

وحدت کی نعمت

آج دنیا میں بیسیوں مذاہب، مسالک اور مکاتبِ فکر موجود ہیں مگر وحدت کی جو نعمت آج ہمیں عطا ہوئی ہے اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی۔ تمام دنیا کے احمدی ایک ہاتھ پر اکٹھے ہیں۔ ایک آواز پر اٹھتے اور بیٹھتے ہیں۔ایک صدا پر چلتے اور ٹھہرتے ہیں۔دنیا کے دور دراز علاقوں میں کسی جماعت پر کوئی مشکل آجائے تو مرکزِ امامت کی طرف سے اطلاع ملتے ہی ساری جماعت بے چین اور بے قرار ہو جاتی ہے اور دعاؤں میں لگ جاتی ہے اور جو کچھ بن پڑے کر گزرتی ہے۔اور اگر متمدن آبادیوں سے دور بھی کسی جماعت کو خوشی نصیب ہو تو سب جماعتیں مل کر وہ سکھ بانٹتی اور مسرتوں میں شریک ہوتی ہیں۔

یہ وہ نعمت ہے جس کے لئے آج کی دنیا تڑپ رہی ہے مگر ہر طرف خود غرضی اور نفسانیت کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اس انعام کی، اس تحفے کی قدر کی ضرورت ہے تا اس آسمانی درخت کا سایہ اور زیادہ بڑھے اور زیادہ پھیلے اور تمام دنیا پر چھا جائے۔

اس نعمت کی قدر کا سب سے اہم اور اچھا طریق یہ ہے کہ ان تمام راہوں سے گریز کیا جائے جو کسی بھی طرح اس زنجیر کی کڑیوں میں کوئی کمزوری اور خلل ڈالتی ہوں اور ہر وہ سلسلہ اختیار کیا جائے جو باہمی محبت، اتفاق اور اتحاد کو دوبالا کرے۔

اگر ہم یہ شکر کریں گے اور عملی طور پر اس کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق اس لطف کو اور بھی ارزاں کرے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ کا غلام

حضرت عثمانؓ کے غلام سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کے پیچھے سوار تھا کہ ہم بیت المال کے مویشی خانے کے قریب پہنچے اس دن شدید گرمی تھی اور بہت گرم ہوائیں چل رہی تھیں۔ہم اچانک ایک شخص کو دیکھا جو تہبند باندھے، ایک چادر اوڑھے اور اس میں اپنا سر چھپائے ہوئے تھا۔ وہ ایک اونٹ کو ہانکتا لا رہا تھا۔ اس نے اونٹ مویشی خانے میں داخل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔"یہ کون ہے؟" ہم چل کر مویشی خانے کے قریب آئے تو یہ حضرت عمر بن الخطاب تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا۔"اس گرمی میں یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔"بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔اسے ڈھونڈ کر لایا ہوں۔" حضرت عثمانؓ نے کہا۔"یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "مجھ سے زیادہ اللہ کا غلام کون ہے؟"

ھجر کے دکھوں اور ان کی کوکھ سے پھوٹنے والی

الٰہی رحمتوں اور برکتوں کا پر کیف نظارہ

(مسعود احمد سلیمان)

۲۹/اپریل ۱۹۸۴ء کا تاریخ ساز دن، غم اور خوشی کی لازوال کیفیتوں سے دوچار دن تھا۔ جس کی کیفیت اور ماہیت کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ ناقابل برداشت غموں اور دکھوں کا دن۔ اذیت ناک کرب وبلا کا دن۔ ہاں وہ دن جب احمدیوں خصوصاً اہل ربوہ سے ان کا پیارا، سب سے زیادہ محبوب، ان کی جانوں سے زیادہ عزیز تر ان کا آقا ان سے جدا کر دیا گیا۔

شدید بے چینی اور بے قراری کے دن

۲۶، ۲۷/اور ۲۸/اپریل کے دن اس قدر گھبراہٹ، بے چینی اور بے قراری کے دن تھے کہ ربوہ کی سرزمین نے شاید ہی پہلے کبھی ایسی بے چینی اور اضطراب دیکھا ہو۔ ایک طرف تمام مخالف طاقتیں جمع ہو چکی تھیں۔ تمام منفی قوتیں یکجا ہو کر ہر سمت سے حملہ آور تھیں۔ تمام ذرائع استعمال میں لائے جا چکے تھے۔ تمام وسائل خرچ کئے جا چکے تھے۔ سرزمین ربوہ چاروں طرف سے گھر چکی تھی۔ دوسری طرف عشاق اپنے معشوق کے عشق میں اور زیادہ فنا ہو چکے تھے۔ وہ اب لہو کی آخری بوند تک بہانے کو تیار تھے۔ اپنے آقا کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے بیقرار تھے۔ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے بیتاب تھے۔ مگر اپنے محبوب آقا کو ہر قیمت پر سلامت دیکھنے کا عہد کر چکے تھے۔ ان کی طرف چلایا جانے والا ہر تیر اپنی چھاتیوں پر لینے کے لئے بے چین تھے۔ جذبے تھے کہ مچلتے جاتے تھے۔ عزائم تھے کہ پہاڑوں کو شرما رہے تھے۔ بچہ بچہ شیر ببر سے زیادہ طاقت اپنے اندر پاتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ آسمان سے فوجوں کی فوجیں اتر رہی ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہر لحہ ایسی بے چینی، بے قراری اور گھبراہٹ تھی جو بڑھتی چلی جاتی تھی۔ سینے دھڑک رہے تھے اور ہر دھڑکن بے اختیار دعاؤں میں ڈھل رہی تھی۔ آنکھیں آسمان کے در پر لگی ہوئی تھیں۔ دل اپنے رب کے حضور پگھل رہے تھے کہ یا الٰہی اپنی نصرت اور تائید کی فوجوں کے ساتھ جلد آ۔ آمدد کو آ۔ دیکھ کہ ہماری آنکھیں تیری راہ تک رہی ہیں اور ہمارے دل سینوں سے باہر نکل رہے ہیں۔ تیرا پیارا آج چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں ہے، اپنی قدرت کا جلوہ دکھا۔ اپنے ہاتھ کا کرشمہ ظاہر کر۔ ہاں اپنے وعدے پورے کر۔

عظیم الشان معجزہ

یکم مئی کا دن ڈھل چکا تھا۔ مسجد مبارک میں آج بھی مغرب کی نماز دعاؤں، التجاؤں، سسکیوں اور آہوں کی گونج میں ادا کی گئی۔ سلام ہوا تو پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کھڑے ہوئے۔ خلاف توقع ان کا چہرہ مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ ہر آنکھ اس طرف جم گئی۔ ہر کان مستعد تھا کہ ہونے والے اعلان کو محفوظ کرلے۔ اعلان ہوا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیر وعافیت لندن پہنچ چکے ہیں۔ لمحہ بھر تو کچھ ہوش نہ رہا۔ کانوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنا عظیم الشان معجزہ ظاہر ہو گیا۔ زندہ خدا نے ایک بار پھر اپنی خدائی کا زبردست جلوہ دکھایا۔ اس کی قدرت کا ہاتھ ایک بار پھر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا اور اس کے سمیع وبصیر ہونے کا شاندار نشان ظاہر ہوا۔

تاریخ کا نیا باب

یہ اعلان آناً فاناً تیز بادلوں کی طرح ربوہ سے ہوتے ہوئے ملک بھر کے گلی کوچوں میں پھیل گیا۔ چہروں پر رونقیں اُمڈ آئیں۔ آنکھوں سے خوشی کے آنسو قطار در قطار بہنے لگے۔ لبوں سے نعرہ ہائے تکبیر نکلنے لگے۔ دل اپنے رب کے حضور سجدات شکر میں تڑپنے لگے۔ یکلخت ساری گھبراہٹ جاتی رہی، ساری بے چینی غائب ہو گئی۔ ہر کوئی دوسرے سے بغلگیر ہو کر مبارک باد دینے لگا۔ کہ آج تاریخ کا نیا باب رقم ہوا ہے۔ اور قدیم نوشتے ایک بار پھر پورے ہوئے ہیں۔ ایسا روشن اور شاندار نشان ظاہر ہوا جس سے آنکھیں چندھیا گئیں۔

ربوہ ہلکا ہلکا نظر آنے لگا۔ گلشن احمد میں باد بہار لوٹ آئی۔ بھینی بھینی ہوا کے جھونکے ہر طرف خوشبو بکھیرنے لگے۔ ہر چھوٹا بڑا خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ کہ زندہ خدا کی زندہ تجلی کا عظیم الشان نشان بنتے ہوئے ان کا محبوب آقا ننگی تلواروں، زہریلے نیزوں کے نرغے سے بحفاظت نکل گیا تھا۔ اور ہر مخالف تدبیر غالب تقدیر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی تھی۔ اور کوئی بندش اور کوئی رکاوٹ اس کی راہ نہ روک سکی تھی۔ سچ ہے کہ۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور۔
ٹلتی نہیں وہ بات خدا ئی یہی تو ہے

اجنبی ربوہ

یہ لمحات خوشی و مسرت زیادہ عرصہ ساتھ نہ رہے۔ آہستہ آہستہ حالات جب کچھ نارمل ہونے لگے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی خواب کے بعد بیدار ہو رہا ہو۔ اس حال میں کہ جس محبوب اور معشوق کو وہ اپنے سینے میں سجا کر سویا تھا وہ آنکھ کھلنے پر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہو۔ وہ دُور، بہت دُور چلا گیا ہو اور فراق کی گہری خلیج درمیان میں حائل ہو چکی تھی۔ پھر کیا تھا ہر گلی کوچے میں اداسی بکھر گئی۔ پیارے آقا کی جدائی میں ہر گھر سوگوار بن گیا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر دل غمناک تھا۔ سسکیاں تھیں کہ تھمتی نہ تھیں، آہیں تھیں کہ رکتی نہ تھیں، سجدہ گاہیں تر ہو گئیں، پر رونق گلیاں سنسان دکھائی دینے لگیں۔ ایک ہو کا عالم تھا، ہر چہرہ اداس تھا، ہر آنکھ بجھی ہوئی تھی۔

آج ربوہ اجنبی دکھائی دینے لگا۔ بظاہر کاروبار زندگی تو معمول کے مطابق چل رہے تھے مگر یہ ربوہ ربوہ نہ رہا تھا۔ کیونکہ اس کا حسن چھین لیا گیا تھا۔ اس کی رونق اچک لی گئی تھی۔ اس کا چاند نظروں سے اوجھل کر دیا گیا تھا۔ وہ بلبل کا نغمہ اب کانوں میں رس نہیں گھولتا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا چہرہ اب دکھائی نہیں دیتا تھا جس کی ایک جھلک دل و جان کو معطر کر دیتی تھی۔ ہاں مسجد اقصیٰ کے دروازے اس قافلہ کی انتظار میں بند پڑے تھے۔ مسجد مبارک کی دیواریں اس میٹھی نغمہ بار آواز کے ارتعاش سے محروم ہو گئی تھیں۔ ربوہ کے منارے خاموش ہو گئے تھے۔ اجتماع اور جلسہ سالانہ کے میدان سنسان پڑے تھے۔

الٰہی جہاد

آج دشمن بظاہر خوش تھا اور بغلیں بجا رہا تھا مگر اندر ہی اندر اپنی ناکامی و نامرادی سے کٹ مر رہا تھا۔ جسے چھپانے کے لئے وہ اور زیادہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ پس مخالفت کی آندھیاں اٹھنے لگیں۔ ظلم و ستم کے نئے باب رقم ہونے لگے۔ ہر عاشق تختۂ مشق بننے لگا۔ پیارے آقا نے ایک سال قبل خبر دی تھی۔

”اس الٰہی جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مگر تمہارے لئے کوئی دنیا کا ہتھیار نہیں ہے۔ دنیا کے تیروں کا مقابلہ تم نے دعاؤں کے تیروں سے کرنا ہے۔ یہ لڑائی فیصلہ کن ہو گی لیکن گلیوں اور بازاروں میں نہیں، صحنوں اور میدانوں میں نہیں بلکہ عبادتگاہوں میں اس لڑائی کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ راتوں کو اٹھ کر اپنی عبادت کے میدانوں کو گرم کرو اور اس زور کی پکار کرو کہ آسمان پر عرش کے کنگرے بھی ہلنے لگیں۔ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہ کا شور بلند کر دو۔ خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے سینوں کے زخم پیش کرو، اپنے چاک گریبان اپنے رب کو دکھاؤ اور کہو کہ اے خدا۔

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج
شور محشر ترے کوچے میں مچایا ہم نے

پس اس زور کا شور مچاؤ اور اس قوت کے ساتھ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہ کی آواز بلند کرو کہ آسمان سے فضل اور رحمت کے دروازے کھلنے لگیں اور ہر دروازے سے یہ آواز آئے: ”سنو سنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔ اے سننے والو سنو کہ خدا کی مدد قریب ہے۔ اے مجھے پکارنے والو سنو کہ خدا کی مدد قریب ہے اور وہ پہنچنے والی ہے۔

(خطبہ جمعہ ۲۴/جون ۱۹۸۳ء)

پس خدا کے حضور یہ الٰہی جہاد جاری رہا۔ مہینوں پر مہینے اور سالوں پر سال گزرنے لگے مگر جنگ کی تپش تھی کہ مدھم نہ ہوتی تھی۔ ہر رات، ہر دن، ہر جمعہ، ہر رمضان، ہر عید پر بارگاہ الوہیت میں دعاؤں کے تیر چلائے جاتے۔ گریہ و زاری کا شور بلند ہوتا۔ آہ و نالہ کا طوفان اٹھتا کہ قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی۔ جلسہ کے دن ہوں یا پاکیزہ اجتماعات کی راتیں۔ مجالس عرفان کی شامیں ہوں یا تعلیم القرآن کی کلاسز، گھوڑ دوڑ کے دن ہوں یا باسکٹ بال کے ایام ہر دن، ہر مہینہ، ہر موسم یادوں کے زخموں پر نمک چھڑک جاتا یوں دل بے اختیار ہو کر اپنے مالک، اپنے مولا، اپنے رب کے آستانہ پر پگھلنے لگتے۔

پہلی بوند

یہ دعاؤں کے تیر نشانے پر بیٹھنے لگے۔ رحمت کے بادل اٹھنے لگے اور خشک ہونٹوں پر ایک ایک کر کے بوند ٹپکنے لگی۔ شروع شروع میں جب خطبات جمعہ کی آڈیو کیسٹس ربوہ پہنچیں تو وہ بھی کیا دن تھے۔ جب سیکورٹی کا انتظام سخت کر کے عبادتگاہوں کو چھوڑ کر کیونکہ وہاں دشمنوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں محلے کے کسی گھر میں عشاق جمع ہوتے باہر گلی میں پہرہ سخت کر دیا جاتا، کھڑکیاں دروازے بند کر کے جونہی ٹیپ چلنے لگتی وہ میٹھی اور جلالی آواز کانوں میں پڑتی تو عجیب سماں بندھ جاتا۔ خوشی بھی ہوتی اور غم بھی۔ غالب جذبات آنکھوں سے ڈھلنے لگتے۔ بدن ساکت ہو جاتے جیسے گوشت پوست کے مجسمے ہوں۔ یوں لگتا جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے بچے اپنی ماں کی آغوش میں جا چھپے ہوں۔ یہ وہ جذبات دو طرفہ تھے جو لفظوں میں ادا ہو نہیں سکتے۔ آج ٹیپ ریکارڈر بھی بہت پیاری لگنے لگی۔ اس وقت یہ راز کھلا کہ سائنس کی یہ ایجاد آج ہی کے دن کے لئے تخلیق ہوئی تھی تا کہ سینکڑوں

ہزاروں میل دور سے اپنے آقا کی آواز سن سکیں۔ آج اس ایجاد کا مقصد پورا ہو گیا۔ آڈیو کیسٹس کا یہ دور چلتا رہا۔ ہر آنے والی کیسٹ کا شدت سے انتظار ہوتا۔ ہر کسی کی کوشش ہوتی کہ جلد سے جلد سنے۔ ایک بار نہیں بار بار سننے سے بھی جی نہ بھرتا تھا۔ اس طرح چپکے چپکے یہ بزمیں بجتی رہیں اور دن گزرتے رہے۔ اور دشمن کی یہ سازش ناکام و نامراد ہو گئی کہ شاخ کو اس کی جڑ سے جداکر دیا جائے۔ شاخیں اپنے شجر سے پیوستہ رہیں اور شاداب ہوتی رہیں۔

ایک یادگار شام

انہی ابتدائی یادگار دنوں میں ۲۵ رمئی ۱۹۸۴ء کا دن بھی ہمیں کبھی نہیں بھولے گا۔ یہ وہ دن تھا جب یہ اعلان ہوا کہ آج رات بی بی سی ورلڈ سروس سے حضور انور ایدہ اللہ کا انٹرویو نشر ہوگا۔ ہم نے ابھی سوچا بھی نہ تھا کہ ریڈیو سے بھی حضور کی آواز سنیں گے۔ پس اس اعلان نے ہر طرف خوشی کی لہر دوڑا دی۔ آج ہر کسی کی زبان پر یہی خبر تھی۔ دن کا ایک ایک لمحہ انتظار کر کے کاٹا گیا۔ ہر گھر میں ریڈیو کو باہر نکالا گیا اسے صاف ستھرا کر کے گھر کی مرکزی جگہ پر رکھا گیا۔ احتیاطاً بیٹری سیل بھی خرید لئے گئے کہ کہیں بجلی بند نہ ہو جائے۔ آج ربوہ کی دوکانوں پر سے سیل اس طرح بکے کہ نہ پہلے کبھی اتنے بکے ہونگے نہ بعد میں۔ آہستہ آہستہ دن اپنے اختتام کو پہنچا۔ انتظار کی گھڑیاں یکایک کر کے کٹتی گئیں اور بی بی سی کی خبریں شروع ہوئیں۔ آج کی رات آسمان کے ستاروں نے یہ عجیب تماشا دیکھا کہ ربوہ کا ہر چھوٹا، ہر بڑا، ہر مرد اور ہر عورت اپنے تمام کام چھوڑ کر ریڈیو کے قریب ہمہ تن گوش بیٹھ گیا۔ خبریں ختم ہوئیں اور سیر بین کا پروگرام شروع ہوا تو یکدم چہرے کھل اٹھے جب نیوز کاسٹر نے یہ اعلان کیا کہ آج ہم جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا طاہر احمد صاحب کا انٹرویو نشر کر رہے ہیں۔ یہ انٹرویو نہایت ہی پیار اور محبت کے جذبات اور جوش وخروش سے سنا گیا۔ اگلے کئی روز ہر کسی کی زبان پر اسی انٹرویو کا چرچا تھا۔ یہ بات غیر معمولی تھی اور بیحد خوشی کا باعث تھی کہ ہمارے آقا کا انٹرویو ساری دنیا میں نشر ہوا ہے۔

رحمت باری کا ایک اور جلوہ

آڈیو کیسٹس کے اس دور کے چند سال بعد ویڈیو کیسٹس کا دور شروع ہوا۔ جب شروع شروع میں ویڈیو کیسٹس آئیں تو وہ دن عید سے کم نہ تھے۔ رات کسی وسیع گھر یا مسجد میں ویڈیو دکھانے کا انتظام بڑی سطح پر کیا جاتا۔ مرد و زن، چھوٹے بڑے ٹی وی کے آگے مبہوت بنے بیٹھے رہتے۔ پیارے آقا کی آواز کے ساتھ تصویر آنکھوں کے رستے دلوں میں اتر جاتی۔ ٹکٹکی بندھ جاتی، آس پاس سے بے خبر چشم تصور میں اڑتے اڑتے لندن پہنچ جاتے اور اپنے آقا کی مجلس میں جا بیٹھتے۔ ہر دوری مٹ جاتی، فاصلے مٹ جاتے، قربت کا احساس نئی زندگی پیدا کر دیتا۔ بس یونہی گھنٹوں بیٹھے ویڈیو کیسٹ دیکھتے رہتے۔ دل خدا کے حضور سجدات تشکر بجا لاتے۔ کس قدر احسان باری ہے کہ مخالف نے جو ہمارا ایک جلسہ بند کیا اور ایک اجتماع پر پابندی لگائی اب ہم بیسیوں، سینکڑوں اجتماعات اور جلسے منعقد کرنے لگے۔ وہی رونق، وہی نوروں نہلائی محفلیں، وہی پر کیف نظارے۔ لیکن ابھی روح پوری طرح سیراب نہ ہو پاتی تھی کہ کیسٹ ختم ہو جاتی۔ ٹی وی آف ہو جاتا۔ عجیب کیفیت سے دوچار ہوتے۔ ایک طرف خوشی سے دل جھوم اٹھتا تو دوسری طرف ہجر کا صدمہ اور زیادہ کاٹنے لگتا۔ وہ نظارے جو آنکھیں دیکھنے کی عادی تھیں بار بار نظروں کے سامنے رقص کرتے اور غائب ہو جاتے۔ یوں یہ آنکھ مچولی جاری رہتی، دلوں کو تپتی سرزمین پر دو بوند ہی برستی پر ہجر کی لپٹیں موج در موج حملہ آور ہوتیں اور درد بھری آہوں کا روپ دھار کر دعاؤں میں ڈھل جاتیں۔

ناقابل فراموش معرکہ

اس دور ہجر کی جنگ کی تپش میں کمی نہ ہوئی تھی۔ سرزمین پاکستان پر ہزاروں لاکھوں عشاق کی متنوع قسم کی قربانیوں کے ابواب کھلنے لگے۔ اور ایک عظیم الشان سنہری حروف سے لکھی جانے والی دردناک داستان تاریخ کے اوراق میں جگہ بنانے لگی۔ مخالف نے مخالفت کی انتہا کر دی۔ تاریخ کے ظلم و ستم ایک ایک کر کے زندہ ہونے لگے۔ معصوم جانیں تلف کی جانے لگیں۔ اموال لوٹے جانے لگے۔ پرامن گھروں کو آگ لگائی جانے لگی۔ نوکریاں ضبط ہو گئیں، عزتیں پامال ہونے لگیں، زبانوں پر پہرے بٹھادئے گئے، قلموں کو توڑ دیا گیا، ہر ترقی کی راہ مسدود کر دی گئی۔ مگر غالب آسمانی تقدیر بھی ساتھ ساتھ اپنا جلوہ دکھاتی گئی۔ ڈھارس بندھتی گئی، دلوں کو قرار نصیب ہوتا گیا، "ملاقات" کی نئی نئی صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ ایمان اور یقین اور زیادہ مستحکم ہونے لگے۔ نظام میں نئی طاقت اور قوت پیدا ہو گئی۔ جن کے اموال تلف کئے گئے ان پر اموال کی بارشیں ہونے لگیں۔ جن کے نفوس پر حملہ کیا گیا ان کے نفوس میں برکت دی گئی۔ ایک گھر کے بدلے سینکڑوں ہزاروں گھر آباد ہونے لگے۔ ایک مسجد کے دروازے بند کرنے پر سینکڑوں مساجد ملنے لگیں۔ پس ہر غم کی کوکھ سے سینکڑوں خوشخبریاں جنم لینے لگیں۔ ہر دکھ کے سائے سے رحمتوں اور فضلوں کی موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ پس یہ معرکہ ایسا نہیں جسے تاریخ فراموش کر سکے۔

تاریخ عالم کا پہلا واقعہ

اس تمام عرصہ میں ہجر کی گھڑیاں سب سے زیادہ دکھ اور غم کا موجب بنی رہیں۔ فراق کا تصور بار بار ڈستا رہا۔ اور چین نہ لینے دیتا۔ وہ قادر خدا پہلے بھی اس غم کو دور کرنے کے سامان کرتا چلا آیا تھا اور

ہر مرتبہ پہلے سے بڑھ کر جلوہ دکھاتا۔ مگر اب کی بار وہ عظیم الشان سامان پیدا کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

جولائی کا مہینہ تھا اور ۱۹۹۲ء کا سال۔ یوں تو جولائی کا مہینہ ہر سال ہی خوشخبریوں کا مہینہ بن جاتا تھا کیونکہ جلسہ سالانہ یو۔کے۔ کے موقعہ پر سال بھر میں خدا تعالیٰ کی بے شمار ہونے والی نعمتوں اور افضال کے تذکرے ہوتے۔ جو ایمان میں بشاشت اور دلوں کے انبساط کے موجب بنتے۔ مگر امسال کا جولائی وہ عظیم الشان خوشخبری لے کر آیا جس کا ہم ابھی وہم و گمان بھی نہ کرتے تھے۔ جس کی کوئی مثال تاریخ سے نہ ملتی تھی۔ جلسہ سالانہ شروع ہوا۔ محروموں کے لئے یہ اعلان خوشی سے دیوانہ کر دینے والا تھا کہ آج کا خطاب براہ راست ٹیلی ویژن پر سیٹلائٹ نظام کے ذریعہ دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔ اس وقت ربوہ میں شاید دو تین جگہوں پر ہی انتظام تھا مگر وہاں رش قابل دید تھا۔ اگرچہ وہ لمحات ہمیشہ کے لئے دلوں پر انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔ جب ٹی وی کے شور میں لپٹی ہوئی پیارے آقا کی آواز کانوں سے ٹکرائی اور تصویر آنکھوں میں اتری تو یوں محسوس ہوا کہ ہم زمین پر نہیں آسمان کی بلندیوں پر اڑ رہے ہیں۔ خیر یہ دن گزر گیا۔ اگلا ماہ آیا، ۲۱ راگست سے خطبہ جمعہ براہ راست نشر ہونے لگا۔ اب ٹیپ ریکارڈر کی ضرورت نہ رہی۔ اب ویڈیو کیسٹس کا دور بھی ختم ہو چکا، اب ہر ہفتہ ہمارا محبوب خود ہوا کے دوش پر اڑ کر آنا فانا ہمارے درمیان آ جاتا۔ ہم ہمیشہ سے یہ سنتے آئے تھے کہ کنواں پیاسے کے پاس نہیں بلکہ پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے مگر آج یہ محاورہ غلط ثابت ہوا۔ آج کنواں خود پیاسوں کے پاس آیا اور ان خشک لبوں کو تر کرتا گیا۔ ایک ہی مجلس ہوتی، ایک ہی موسم ہوتا، ایک ہی سماں ہوتا، ادھر ہونٹ ہلتے ادھر کانوں میں ارتعاش ہونے لگتا۔ ادھر آنکھیں اٹھتیں، ادھر نظروں میں داخل ہوتیں۔ یہ کیف و مستی کی محفل بے مثال تھی۔ کیونکہ اس سے قبل آسمان نے ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا۔ تاریخ کے اوراق خاموش تھے، یک بیک یہ کیا ماجرا گزرا کہ فاصلے ختم ہو گئے، دوریاں مٹ گئیں۔ آج ہجر کا لازوال شیریں پھل ہم نے کھایا۔ آج دعاؤں کی قبولیت کا ایسا نشان ہم نے دیکھا جو اور کسی نے نہ دیکھا تھا۔ آج ہجر کے بند دروازوں کے پٹ کھلنے لگے جہاں سے نور اور روشنی نمودار ہوئی جو تاریکی کے پردوں کو چاک کرنے لگی اور ہر طرف غموں اور دکھوں کو خوشیوں اور مسرتوں میں تبدیل کرنے لگی۔

ابھی ہجرت کے آٹھ سال ہی مکمل ہوئے تھے کہ پیارے آقا کی ایک قسم کی واپسی کی راہ ہموار ہو گئی۔ ایک مرتبہ پہلے بھی ہجر کی رات آٹھ سال بعد ایک عظیم الشان فتح کی نوید لئے ختم ہوئی تھی۔ آج پھر آٹھ سال بعد ایک قسم کی واپسی ہوئی۔

ہر جمعہ کے بعد اگلے کا شدت سے انتظار ہونے لگا۔ یہ انتظار تکلیف دہ بھی تھا اور ولولہ انگیز بھی۔ ہر جمعہ ملاقات کی تیاریاں شروع ہو جاتیں۔ یہ جمعہ کا دن کتنا پیارا لگنے لگا۔ آج جمعہ کے لفظ کا مطلب سمجھ میں آیا اور جمعہ کی عملی تصویر دنیا کے سامنے روشن ہوئی۔

بے مثال نظارہ

اگلے سال کا جولائی ایک اور خوشخبری لے کر آیا جو اپنی مثل آپ تھی۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۹۳ء کا دن بھی ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں جگمگاتا رہے گا کیونکہ آج کے دن کی راہ گزشتہ آسمانی صحیفے بھی تک رہے تھے۔ تاریخ عالم کا بے مثل واقعہ رونما ہوا۔ آج ۸۴ ممالک کی دو لاکھ چار ہزار سے زائد سعید روحوں کو عالمی مواصلاتی نظام کے ذریعہ عشاق کے گروہ میں داخل ہونے کی سعادت ملی۔ آج ہر احمدی شاد تھا۔ اور خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہا تھا۔ مٹھائیاں بانٹی جا رہی تھیں۔ سجدات شکر بجا لائے جا رہے تھے۔ بچے کیا اور بوڑھے کیا، عورتیں کیا اور مرد کیا سب ہی خوشی سے اچھل رہے تھے۔ اب سینکڑوں، ہزاروں کی بات نہیں رہی اب لاکھوں کا دور شروع ہوا۔ سعید فطرت جوق در جوق ظلمتوں سے نکل کر آسمانی چراغ کی طرف لپکنے لگے۔ اس شیریں چشمہ سے آکر پیاس بجھانے لگے۔ اب تو ہر راہ سے فضل اور رحمت برسنے لگی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ چند سال قبل شروع ہونے والی جنگ کس شان سے جیتی گئی کہ دل حمد کے ترانے الاپنے لگتا ہے۔ کمزور اور نہتے مگر ایمان اور یقین کے زیور سے آراستہ دلوں کو فتح کرنے لگے اور ان کی رفتار پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔

تاریخی خطبہ

براہ راست نشر ہونے والا خطبہ جمعہ آہستہ آہستہ پھیلنے اور پھولنے لگا۔ مورخہ ۷ر جنوری ۱۹۹۴ء کو MTA کی باقاعدہ نشریات کا آغاز ہوا۔ اب روزانہ کئی کئی گھنٹے روح کی سیرابی کے سامان ہونے لگے۔ مگر دن کا کچھ حصہ ابھی بھی محروم تھا۔ خدا تعالیٰ نے یہ محرومی بھی دور کر دی اور ۵ر اپریل ۱۹۹۶ء کا خطبہ جمعہ تاریخی خطبہ بن گیا جس میں یہ نوید مسرت سنائی گئی کہ اب ایم ٹی اے کا دائرہ پھیلتے پھیلتے چوبیس (۲۴) گھنٹوں پر محیط ہو گیا۔ اب دن کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس روحانی چشمہ سے محروم ہو۔ رات کی کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں اس آسمانی مائدہ کی ڈش حاضر نہ ہو۔

عظیم الشان خوشخبری

ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے کہ ایم ٹی اے نے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ دکھایا۔ ۷ر جولائی ۱۹۹۶ء کی رات بظاہر تو ایک تاریک رات تھی مگر اس کے بطن سے جنم لینے والا نور بے نظیر اور لازوال تھا۔ گھڑیوں نے رات کے چار بجنے کا اعلان کیا تو ساتھ ہی ایم ٹی اے نے اپنی نشریات گلوبل بیم کے ذریعہ نشر کرنی شروع کر دیں۔ اور ایم ٹی اے نے تقریباً ساری دنیا کو اپنی آغوش میں

لے لیا۔

پس ۲۹ را پریل ۱۹۸۴ء کو شروع ہونے والا سفر ترقیات کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک عظیم الشان منزل پر ےرجولائی ۱۹۹۶ء کو پہنچا۔ یہ وہ منزل تھی جس سے سارا کرہ ارض جگمگانے لگا۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے فاصلے مٹ گئے، رنگ و نسل کا امتیاز ختم ہو گیا۔ وہ شخص جسے اس کی قوم نے دھتکار دیا تھا، جسے اپنے وطن سے بے وطن کر دیا، اس کے اپنے گھروں کے دروازے اس پر بند کر دئے، اس کے عزیز، اس کے پیاروں کو اس سے جدا کر دیا۔ اسے بارگاہ الٰہی نے کس شان سے قبول فرمایا کہ وہی شخص آج دنیا کے ہر گھر میں داخل ہو چکا ہے۔

ہوا کے دوش پہ لاکھوں گھروں میں در آیا
نکل گیا تھا جو گھر سے کبھی خدا کے لئے

آج دنیا کا ہر گوشہ، ہر خطہ، ہر علاقہ اس کی برکتوں سے فیضیاب ہے اس کا نورانی وجود ہر دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ آج اس کی آواز ہر زندہ کان میں رس گھول رہی ہے۔ ہاں جو نہ سننا چاہے، نہ دیکھنا چاہے اس کا اپنا نصیب مگر فیض تو عام ہو چکا ہے۔

آج ہم دنیا کے سامنے ناز سے اپنا سر بلند کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے ہمیں وہ عظمت دی جو دنیا کی کسی قوم، کسی جماعت اور کسی طاقت کو نصیب نہیں۔ ہمیں وہ نعمت عطا کی جس سے غیر محروم ہیں۔ مگر ہمارے ماتھے اپنے رب کے حضور جھکے ہوئے ہیں کہ یہ سب اسی کی عطا ہے، اسی کی مہربانی ہے، اسی کا فضل ہے ورنہ ہماری کیا اوقات تھی۔

MTA کی برکات بڑھنے لگیں۔ یہ جہاں ہجر کی کڑی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں کے ساتھ وصل کا شربت پلانے لگا وہاں ہر سال لاکھوں مُردوں میں زندگی کی روح پھونکنے لگا۔ گزشتہ سال ایک کروڑ سے زائد افراد اس عظیم شجر کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آ جمع ہوئے۔ جس کی شاخیں دنیا کے ہر خطے تک پھیل چکی ہیں۔ اور جس کی جڑیں ۱۶۰ ملکوں میں مستحکم ہو چکی ہیں۔ پس اپریل کی کہانی دردناک حالات سے گزرتی ہوئی اب فتوحات اور انعامات کے بلند سلسلوں میں داخل ہو چکی ہے۔

ناز اور غم

۱۹۹۹ء کا اپریل بھی حسب سابق غم اور ناز کے جذبات کو انگیخت کرتے ہوئے طلوع ہوا۔ مگر اس مرتبہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو سارے گزشتہ زخموں پر نمک چھڑک گیا۔ "ناز بھی تھا اور غم بھی تھا"۔ اس اپریل کو ظالموں نے ہمارا بہت ہی پیارا، ہمارے پیارے کا پیارا، غلام قادر چھین لیا اور اس کا پاکیزہ خون دریا کے کنارے بڑی بے دردی سے بہا دیا۔ یقیناً یہ خون اس لائق تھا کہ اس کی خاطر بہتوں کا خون قربان ہو جائے کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعودؑ کا مقدس خون بھی شامل تھا۔ ناز اس پر تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کو جانی قربانی سے بھی سرفراز کیا گیا۔ اور غم بھی ایسا تھا جو ہر کسی کو کھائے جا رہا تھا۔ پس ساری گزشتہ تاریخ آج پھر زندہ ہو گئی۔ آج پھر ربوہ اداس ہو گیا، ہر چہرہ اتر گیا، ہر شخص کھویا کھویا سا دکھائی دینے لگا۔ شکست پر شکست کھانے سے دشمن اور زیادہ ناکامیوں اور حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اور مایوسیوں کا شکار ہو کر ہر ناروا ہتھکنڈے پر اتر آیا ہے۔ مگر ہمارا مولیٰ زندہ ہے۔ آج نظریں ایک بار پھر آسمان کی طرف اٹھنے لگیں۔ دلوں سے بے اختیار یہ صدا بلند ہونے لگی کہ اے قادر! اے خدایا! گزشتہ ہر غم میں مداوا تو نے اس شان سے کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس غم کا مداوا بھی اس شان سے کرنا کہ تیری قدرت کا عظیم الشان جلوہ ظاہر ہو کہ ہم سارے غموں کو بھول جائیں۔ تیری یہی سنت رہی ہے کہ جب دشمنوں نے نفوس پر حملہ کیا تو نفوس میں ایسی برکت ڈالی کہ ایک سے ہزاروں لاکھوں ہو گئے۔ پس آج بھی اس قدر ہمیں ترقی عطا فرما کہ گزشتہ تمام ریکارڈ ٹوٹ جائیں۔ ہاں اے ہمارے قادر خدا ہمارے سارے غموں کا مداوا کر دے۔

آخری التجا

اس ہجرت کے بہت شیریں پھل ہم نے کھائے ہیں۔ ہم نے تیری زمین میں بے شمار وسعت پیدا ہوتی ہوئی خود دیکھ لی۔ ہم نے خوف کو امن میں بدلتے ہوئے بارہا دیکھا ہے۔ ہم نے ہر مخالفت کی اٹھتی ہوئی لہر کو تیری غالب تقدیر کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے ہوئے بارہا مشاہدہ کیا۔ ہر سمت سے نئے نئے علاقے مفتوح ہوتے ہوئے ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو اس رفتار کو اور بھی بڑھا دے۔ اب ایک قلق باقی ہے تو اسے بھی دور کر دے۔ ٹی وی کے واسطے کو بھی درمیان سے اٹھا دے اور روبرو ملاقات کے سامان کر۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

ابتلاء کے وقت کی دعا

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی کٹھن امر درپیش ہوتا تو یہ دعا کرتے۔

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ابتلاء کی سختی سے اور بدبختی کی گرفت سے اور تقدیر کے شر سے اور دشمنوں کے اپنے خلاف خوش ہونے سے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من جهد البلاء)

احمدی بچی کا قابلِ تقلید نمونہ

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بچوں کی تربیت سے متعلق بارہا جماعت کو مختلف خطبات /خطابات و دیگر مواقع پر توجہ دلائی ہے ۔ اس سلسلہ میں آپ کا ایک نہایت تفصیلی خطبہ جمعہ وہ ہے جو آپ نے ۲۰/جون ۱۹۹۶ء کو مسجد بیت الرحمن واشنگٹن ، امریکہ میں ارشاد فرمایا ۔ یہ خطبہ جمعہ احمدی والدین اور بچوں کو خاص طورپر بہت غور اور توجہ سے باربار پڑھنا اور سننا چاہئے ۔ اس میں حضور ایدہ اللہ نے خصوصیت کے ساتھ مغربی ممالک اور ترقی یافتہ آزاد ممالک میں بسنے والے والدین کی رہنمائی کے لئے بہت اہم اور قیمتی نصائح فرمائی ہیں۔ اس میں حضور ایدہ اللہ نے فرمایا :

”پس اس معاشرے میں جہاں ماحول نیکیوں کے مخالف ہے جہاں بدیوں کو تقویت دینے والا ہے وہاں بچپن ہی سے نیکیوں سے ذاتی لگاؤ پیدا کرنا اور اس کے لئے روزمرہ کے مواقع سے فائدہ اٹھانا بہت ضروری ہے.......... دوسری بات جو سمجھانے کی ضرورت ہے وہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہے- جیسا کہ میں نے بیان کیا جب بچے باہر سکولوں میں جاتے ہیں تو بعض لوگ ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن ان میں اگر خود اعتمادی ہو اور ماں باپ ان کو پہلے سے سمجھا چکے ہوں کہ تمہاری نیکیوں پر سوسائٹی تمسخر اڑائے گی، تمہیں ذلیل نظروں سے دیکھے گی لیکن تم نے سر اٹھا کر چلنا ہے- اگر کہیں سر اٹھانا جائز ہے تو اس موقع پر سر اٹھانا جائز ہے اور لازم ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بتائیں کہ تم کوڑی کی بھی پرواہ نہ کرو-جو چاہے دنیا کہتی پھرے جس طرح چاہے دیکھے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا کردار تب بنے گا کہ تم جن باتوں کو اچھا سمجھتے ہو انہیں کرنے کی جرأت رکھتے ہو.......... پس نیکی پر خوداعتمادی یہ بہت ضروری ہے اور اس خوداعتمادی کے فقدان کے نتیجے میں نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں- پس جن بچوں کو آپ نے سوسائٹی میں بھیجنا ہے ان کو بتائیں کہ تمہاری عزت اور تمہاری اعلیٰ اقدار سچائی سے وابستہ ہیں- تمہاری عزت اور اعلیٰ اقدار گندگیوں سے مونہہ موڑنے سے وابستہ ہیں- سوسائٹی ایک طرف مونہہ کرکے جاتی ہے تم دوسری طرف مونہہ کرکے چلو اور اس میں تمہارا سر فخر سے اٹھنا چاہئے، ذلت کا احساس نہیں ہونا چاہئے- اگر نیکی کے ساتھ ذلت کا احساس ہو تو یہ نیکی کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتی- پس اکثر خرابی یہاں بچوں میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ان کو گھر میں نیکی میں عزت کا احساس نہیں بتایا جاتا- یہ نہیں بتایا جاتا کہ تم میں تو اس سے خود اعتمادی پیدا ہونی چاہئے ، تم اونچے ہو تم گھٹیا لوگوں سے شرماتے ہو- یہ تم کیا چیز ہو، کیا کبھی جانوروں سے بھی تم شرمائے ہو کہ جانور ہر قسم کی بیہودہ حرکتیں کر رہے ہیں اور تم انسانوں کی طرح چل رہے ہو- تمہیں جانوروں پر رحم تو آ سکتا ہے مگر جانوروں سے شرما نہیں سکتے- پس انسانی ماحول میں بھی جانور بس رہے ہیں اور جانور وہ جو مادر پدر آزاد ہیں، جانوروں سے بھی بے حیائیوں میں آگے بڑھ گئے ہیں ان کے سامنے تمہیں سر اٹھا کر چلنا ہے-

یہ وہ تکبر ہے جس میں حقیقت میں بنیادی طور پر انکساری ہے کیونکہ خدا کی خاطر آپ اپنا سر اٹھا رہے ہیں اور ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ بعض دفعہ نیکیوں کا اثر ڈالنے کے لئے سر اٹھانا ہی نیکی بن جایا کرتا ہے- اپنی اعلیٰ اقدار پر سر اٹھا کر چلیں کوڑی کی بھی پرواہ نہ کریں کہ کوئی آپ کو کس طرح دیکھتا ہے اور کیا سمجھ رہا ہے- یہ احساسِ خود اعتمادی گھر میں بچپن میں

”میرا نام عطیۃ الغالب ہے اور میں اس وقت St.Francis Catholic College میں کلاس 9th کی طالبہ ہوں- میں اپنے والدین کے ہمراہ اگست ۱۹۹۶ء میں آسٹریلیا آئی تھی کیونکہ میرے والد صاحب (مسعود احمد شاہد) کا بطور مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ یہاں تقرر ہوا تھا۔

آسٹریلیا آکر میں نے 4th کلاس سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ دوران تعلیم شروع شروع میں مجھے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہاں کے ماحول اور ہمارے اسلامی ماحول میں بہت فرق ہے۔ جبکہ میں ایک احمدی مسلمان لڑکی کے طور پر سکول میں اپنے آپ کو متعارف کروانا چاہتی تھی اور انہیں روایات کو لے کر آگے بڑھنا چاہتی تھی جو کہ ایک احمدی مسلمان بچی کی شایان شان ہوتی ہیں اور جن کی ہمارے پیارے حضور ہم احمدی بچوں سے توقع رکھتے ہیں۔ ان روایات میں سب سے بڑھ کر میرا لباس تھا۔ میری ہر وقت یہ کوشش رہتی تھی کہ میں اسلامی باپردہ لباس میں سکول جاؤں۔ اور سکول میں میری سیٹ بھی لڑکوں کی بجائے لڑکیوں کے ساتھ ہو۔ مزید یہ کہ جمعہ کے روز مجھے جمعہ پڑھنے کی اجازت بھی مل جائے ۔ سکول میں داخل ہوتے ہی میں نے پہلا کام یہ کیا کہ محترم پرنسپل صاحب سے پورا لباس پہننے، جمعہ پڑھنے اور میوزک کلاس میں شامل نہ ہونے کی اجازت لے لی۔ اس کے علاوہ کلاس کے اندر اپنی کلاس ٹیچر کو بھی بتادیا کہ میری سیٹ آپ لڑکیوں کے ساتھ مقرر کریں۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اسے کہا تو ٹیچر نے ذرا غصہ سے کہا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں ایک احمدی مسلمان لڑکی ہوں اور ہمارا مذہب ہمیں لڑکوں کے ساتھ کھلم کھلا میل جول کی اجازت نہیں دیتا۔ اس ٹیچر نے کہا کہ یہاں اور بھی بہت ساری مسلمان لڑکیاں پڑھتی ہیں مگر انہوں نے کبھی اس طرح نہیں کہا جس طرح تم کہتی ہو۔

پیدا کرنا ضروری ہے- اگر آپ نے نہ کیا تو پھر بارہ، چودہ، پندرہ سال کے بعد بالکل آپ کا بس نہیں رہے گا- آپ کو اختیار نہیں رہے گا- پھر دنیا کی لذتیں ان کو اس عمر میں اپنی طرف اس طرح کھینچیں گی کہ ان کے نزدیک خود اعتمادی کا کوئی سوال باقی نہیں رہے گا"-

اس زمانہ میں جماعت احمدیہ مسلمہ خداتعالیٰ کے فضل سے اسلامی روایات کی امین ہے اور دنیا بھر میں مخلص احمدی مرد و زن اعلیٰ دینی اقدار کی پاسبانی میں اور اپنے نیک نمونہ کے ساتھ عَلَمِ اسلام کو بلند کئے ہوئے ہیں۔ اہل مغرب کی طرف سے عموماً اعتراض کیا جاتا ہے کہ پردہ مسلمان عورتوں کی ترقی میں روک ہے۔ مگر احمدی مسلمان بچیاں باپردہ ہو کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اور مختلفِ علوم و فنون میں مہارت حاصل کرکے اس اعتراض کا عملی جواب دیتی ہیں کہ پردہ نہ صرف یہ کہ ان کی عزت و عصمت کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے بلکہ یہ ہر گز ان کی ترقیات میں کوئی روک نہیں بنتا۔

اسی قسم کی ایک سرگزشت ہمیں عزیزہ عطیۃالغالب بنت مکرم مسعود احمد صاحب شاہد نے آسٹریلیا سے بھجوائی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ احمدی بچیاں ہر جگہ ایسے ہی نیک نمونے قائم کررہی ہیں۔ ان سب کے لئے دعا کی تحریک کے ساتھ یہ مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔ (مدیر)

اس پر مَیں نے کہا کہ مَیں ان سے مختلف ہوں، مَیں **ایک احمدی مسلمان لڑکی ہوں**۔ میرا جواب سن کر وہ ٹیچر تو خاموش ہو گئی اور اس نے میری سیٹ بھی مستقل لڑکیوں کے ساتھ کردی۔ مگر کلاس نے بھی مستقل لڑکیوں کے ساتھ کردی۔ مگر کلاس نے میرا بائیکاٹ کردیا۔ کوئی لڑکی میرے ساتھ بات کرنے کو تیار نہ تھی۔ کچھ دن تو اسی طرح ہوتا رہا۔ مگر مجھے ذاتی طور پر کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ مَیں یہ سب کچھ اپنی خوشی سے اپنی مذہبی اقدار کو رواج دینے کی خاطر کر رہی تھی مگر اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھی کہ آخر یہ لوگ میرے اس طرح کرنے کو Mind کیوں کرتے ہیں؟

آخر ایک دن مَیں نے گھر آکر اپنے والدین سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم سورۃ فاتحہ اور درود شریف پڑھ کر دعا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کے دلوں کو بدل دے گا اور وہ خود بخود تمہاری دوست بن جائیں گی۔ اس سے مجھے بڑا حوصلہ ملا۔ چنانچہ اگلے ہی روز سکول میں جب لنچ ٹائم کے دوران مَیں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی تو مَیں نے سورۃ فاتحہ اور درود شریف پڑھ کر خاص توجہ سے خداتعالیٰ کے حضور دعا کی تو مَیں نے یوں محسوس کیا کہ اب مَیں اکیلی نہیں ہوں بلکہ خداتعالیٰ کے فرشتے میرے ہمراہ ہیں۔ اور اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری کلاس کی وہ لڑکیاں جو سب سے زیادہ میرے نظریات کی مخالف تھیں میرے پاس آئیں اور کہا کہ آؤ ہم تمہاری دوست ہیں۔ ہمارے ساتھ کھیلو اور یہ کہ اب ہم بھی لڑکوں کو اپنے گروپ میں نہیں رکھیں گی۔ قبولیت دعا کے اس عظیم الشان معجزے نے میرے ایمان کو اس وقت اور زیادہ تقویت بخشی جب میں کلاس میں گئی تو ٹیچر نے مجھے کھڑا کر کے میرا تعارف پوچھا۔ میرے تعارف کرانے پر اس نے پوری کلاس کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے اب اس لڑکی کا مذہب سب سے اچھا لگتا ہے۔

اس دن کے بعد سے تمام کلاس اور ٹیچرز میرا خاص احترام کرتے ہیں۔ گھر آتے ہی مَیں نے یہ تمام باتیں بذریعہ خط حضور انور ایدہ اللہ کی خدمت میں لکھ دیں۔ حضور کی طرف سے مجھے بڑا ہی پیارا دعائیہ خط موصول ہوا۔

اب اس وقت مَیں کیتھولک کالج میں 9th کلاس میں ہوں۔ پورا لباس پہنتی ہوں اور سر پر سکارف اوڑھ کر جاتی ہوں۔ انہوں نے مجھے سکول ہی میں نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔

سکول کے اندر ان کا عام دستور ہے کہ مرد عورتوں کے ساتھ اور عورتیں مردوں کے ساتھ ہاتھ ملاتی ہیں۔ مگر مَیں نے پہلے دن ہی جب پرنسپل نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا تو کہہ دیا تھا کہ سوری (Sorry) ہم مردوں کے ساتھ ہاتھ نہیں ملاتیں۔ میرے اس طرح کہنے سے اس نے ایک ٹیچر کو مقرر کیا کہ وہ تمام Subject کلاسز میں میرا تعارف کراتے وقت یہ بھی کہہ دے کہ اس کے ساتھ کوئی ہاتھ نہ ملائے۔ اس کالج کے اندر باقاعدہ ایک Religious کلاس ہوتی ہے اس میں میرا ٹیچر میرے سے اسلام کے بارہ میں بہت سوالات کرتا ہے۔ اگرچہ میری اس کلاس میں اور بھی بہت ساری مسلمان لڑکیاں ہیں مگر ٹیچر کی مطمح نظر صرف مَیں ہی ہوتی ہوں۔ میرے جواب دینے سے ٹیچر اتنا متاثر ہوتا ہے کہ وہ کئی بار مجھے کہہ چکا ہے کہ میرا خیال ہے یہ کلاس آپ لیا کریں۔ کل مَیں نے ساری کلاس کو کلمہ طیبہ باترجمہ سکھایا تھا۔ وہ میرے عربی بولنے کے انداز سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ مَیں جو بھی اپنے Assignments لکھتی ہوں اس کے ٹائٹل پیج کو کلمہ طیبہ، بسم اللہ اور دوسری اسلامی دعاؤں سے مزین کرتی ہوں جو کہ میرے اساتذہ کے لئے ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ وہ بڑی دلچسپی سے اس کو پڑھتے ہیں۔ کل بطور ایک اسلامی لڑکی انہوں نے میرا انٹرویو لیا ہے۔ اب میرے Religious ٹیچر نے مجھ سے کہا ہے کہ اپنے مذہب کے عقائد سے متعارف کرواؤ"۔

(الفضل انٹرنیشنل — ۱۵؍جون ۲۰۰۱ء تا ۲۱؍جون ۲۰۰۱ء)

"اس سلسلہ کو خداتعالیٰ نے تقویٰ ہی کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ تقویٰ کا میدان بالکل خالی ہے پس جو متقی بنیں گے ان کو معجزے کے طور پر بچایا جائے گا۔"
(الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء)

بسلسلہ مقدمات کے پسِ منظر میں

ایک تاریخی حادثہ

تحریر: ملک محمود مجید خان (ویسٹن ساؤتھ)

یاد اک زخم بن گئی ورنہ
بھول جانے کا کچھ خیال تو ہے

ایک مقدمہ سرکار بنام وسیم احمد وغیرہ زیرِ دفعہ 307 تعزیراتِ پاکستان ربوہ تھانہ میں درج ہوا۔ جس کے واقعات مندرجہ ذیل ہیں۔

مؤرخہ 25 جون 1984ء رات گیارہ بجے شب وسیم احمد انور اور مبارک احمد سلیم دو نوجوان قریشی محمد افضل کے مکان کی چھت پر حفاظت بنگلہ کے لئے موجود تھے۔ کہ انہوں نے مکان کے نیچے سے دھوا ں سا اٹھتا ہوا دیکھا۔ وہ نیچے کی طرف دوڑے۔ تو انہوں نے تین اشخاص کو دیکھا۔ جو دروازے کو آگ لگا کر جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک مولوی اللہ یار ارشد رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اور اس کے بقیہ دو ساتھی سکوٹر پر سوار ہو کر بھاگ گئے۔ مٹی کے تیل کا کنستر اور ایک ٹوٹی ہوئی بوتل بھی موقع پر پکڑی گئی۔ ربوہ کی پولیس کو فوراً مطلع کیا گیا۔ اُن دنوں مخالفت زوروں پر تھی۔

حکومت اور پولیس دونوں احمدیوں کے سخت خلاف ہو چکے تھے۔ لہذا بجائے اس کے کہ مولوی اللہ یار ارشد اور اس کے ساتھیوں کے خلاف مقدمہ درج ہوتا۔ پولیس نے وسیم احمد اور مبارک احمد کے خلاف مقدمہ درج کر کے ان کو گرفتار کر لیا۔ اس واقعہ سے ملتی جلتی رپورٹ پولیس نے از خود مرتب کر لی۔ جس میں حقائق کے برعکس کہانی یہ گھڑی گئی۔ کہ وقوعہ کے وقت مولوی اللہ یار ارشد اس وقت سائیکل پر سوار قریشی محمد افضل کے بنگلہ کے قریب سے گذر رہا تھا۔ کہ اس کو وسیم احمد انور اور مبارک احمد سلیم نے پکڑ کر اغواء کر کے بنگلہ میں لے جا کر مارا پیٹا اور ان کے ہمراہی ملزمان حکیم خوشید احمد، چوہدری ظہور احمد باجوہ خواجہ مجید احمد اور چوہدری عبد العزیز بھامبڑی بھی شاملِ جرم تھے۔ اس کو مارتے پیٹتے پولیس تھانہ لے جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں پولیس مل گئی۔ مولوی اللہ یار ارشد کو چنیوٹ ہسپتال میں داخل کر لیا گیا۔ اور مبارک احمد سلیم اور وسیم احمد انور کو گرفتار کر کے تفتیش میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح چوہدری ظہور احمد باجوہ۔ خواجہ مجید احمد اور حکیم خورشید احمد مرحوم کو ہمراہی ملزمان میں شامل کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ اک طرفہ تماشہ یہ ہو کہ عبد العزیز بھامبڑی (مرحوم و مغفور) ان دنوں کوئٹہ گئے ہوئے تھے پھر بھی ان کا نام ملزمان میں شامل کر لیا گیا۔ تفتیش کے دوران وسیم احمد انور اور مبارک احمد سلیم پر پولیس نے بے حد تشدد کیا۔ اور ان کو جسمانی اذیت پہنچائی گئی۔

خاکسار کو اس مقدمہ کی پیروی کے لئے لاہور مطلع کیا گیا۔ 27 جون 1984ء کو خاکسار نے A.C. چنیوٹ مسٹر سمیع اللہ عابد مجسٹریٹ دفعہ 30 کی عدالت میں چوہدری ظہور احمد باجوہ وغیرہ کی ضمانت کی درخواست گذاری۔ جو 28 جون کو برائے سماعت مقرر ہوئی۔ چنیوٹ اور ربوہ میں اللہ یار ارشد کے ہسپتال میں داخلے کی خبر دور و نزدیک کے گاؤں میں بھی پھیل چکی تھی۔ ختمِ نبوت چنیوٹ کے ارکان نے اس واقعہ کی بڑھا چڑھا کر تشہیر کر رکھی تھی۔

خاکسار سرائے محبت گیسٹ ہاؤس ربوہ میں قیام پذیر تھا۔ محمود احمد بنگالی صدر مجلس خدام الاحمدیہ سے 28 جون کی صبح کا پروگرام طے کرتے وقت خاکسار نے چنیوٹ میں سماعت کے دوران اپنے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے ہدایت کر دی تھی۔ کہ حفاظتی انتظام صدر صاحب کے سپرد ہوگا۔ جو وقتِ عدالت سے قبل حالات کا جائزہ لے لیں گے۔ تاکہ ہم اطمینان سے مقدمہ کی پیروی کر سکیں۔ اور ہمیں حالات سے مطلع رکھیں گے۔ مگر صدر صاحب کو یہ فکر بھی لاحق تھی۔ کہ راستہ میں ہی کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ اس لئے طے یہ ہوا۔ کہ خدام کی گاڑی آگے آگے چلے گی۔ اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ خاکسار اپنی گاڑی پر فائلیں۔ کتابیں اور کوٹ وغیرہ رکھ کر تیار ہو گیا۔ اور 28 جون کو ہمارا یہ چھوٹا سا قافلہ عدالت کے وقت سے کچھ پہلے چنیوٹ پہنچ گیا۔ صدر خدام الاحمدیہ کے ہمراہ 8-10 خدام ایک وین میں تھے۔ جنہوں نے اپنی یہ وین عدالت کے کمرہ سے کچھ فاصلہ پر پولیس کے دفتر کے قریب کھڑی کر دی۔ مقدمہ کی پیروی کے لئے خاکسار اور خواجہ سرفراز احمد (مرحوم) مقرر تھے۔ ہمارے ہمراہ مشیر قانونی مبارک احمد طاہر ناظم جائیداد چوہدری صلاح الدین اور کلرک دفتر مشیر قانونی صداقت احمد اور فرزند علی ڈرائیور حکیم خورشید احمد بھی الگ گاڑی میں سوار تھے۔

خاکسار نے اپنی گاڑی حفظِ ماتقدم کے طور پر عین کمرۂ عدالت کے سامنے سڑک پر پارک کر دی۔ کیونکہ اس سے محفوظ کوئی اور جگہ خیال نہیں کی جا سکتی تھی۔ کمرۂ عدالت کے سامنے سڑک کے پار دیوانی عدالتیں اور وکلاء کے دفاتر واقع تھے۔ کچھ فاصلے پر چنیوٹ پولیس کا دفتر تھا۔ جہاں ڈی۔ ایس۔ پی و دیگر عملہ موجود تھا۔

جب ہم عدالت میں پہنچے۔ تو ریڈر۔ چپڑاسی اور نائب کورٹ وغیرہ کا عملہ موجود تھا۔ عدالت کے شروع ہونے میں ابھی کچھ منٹ باقی تھے۔ ہمیں ریڈر نے

مطلع کیا۔کہ عدالت آنے والی ہے۔لہذا انتظار کریں۔

گرمیوں کے دن یعنی جون کا مہینہ تھا۔عدالت میں پنکھا چل رہا تھا۔اس لئے وکلاء کے لئے موجود کرسیوں پر بیٹھ کر ہم لوگ انتظار کرنے لگے۔چند لمحے بعد میں نے دیکھا۔کہ کچھ نوجوان ایک ایک دو دو کرکے عدالت کے باہر درخت کے نیچے اکھٹے ہونے شروع ہو گئے۔مجسٹریٹ سیکشن30 کی کھلی عدالت ہوتی ہے۔اور دیگر مقدمات میں اور لوگوں کی پیشیاں سماعت کے لئے مقرر ہوتی ہیں۔لہذا مجرمان ۔گواہان و دیگر مطلوبہ اشخاص کی آمد بھی جاری رہتی ہے۔اور مجمع لگا ہی رہتا ہے۔اس لئے ہم نے بھی کوئی توجہ نہ دی۔عدالت سے باہر جب کافی لوگ جمع ہو گئے اور اونچی اونچی آوازیں بلند ہوئیں۔تو ہماری توجہ باہر درخت کے نیچے جمع اشخاص کی طرف ہوئی۔آوازے کسے جا رہے تھے۔کہ مرزائی کافر ہیں۔مرزائی آ گئے ہیں۔ادھر آوازے بلند ہونے لگے۔ادھر عدالت سے ریڈر۔آواز دینے والا چپڑاسی اور نائب کورٹ وغیرہ ایک ایک کرکے کمرہ عدالت سے باہر نکل گئے۔چار پانچ آدمی موٹے تازے کمرہ عدالت میں آ گئے اور ہم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔کہ آپ مرزائی ہیں اور عدالت مسلمان ہے۔یہاں پر آپ لوگ نہیں بیٹھ سکتے۔یہاں سے باہر نکل جائیں۔کمرہ عدالت سے باہر25/30 آدمی اکھٹے ہو چکے تھے۔لہذا ہمارا شک یقین میں بدل گیا۔کہ یہ کسی سازش کے ماتحت عدالت میں آئے ہیں۔کیونکہ عملہ عدالت ان سے پہلے ہی کمرہ چھوڑ کر جا چکا تھا۔حالانکہ وقت عدالت شروع ہو چکا تھا۔اور مجسٹریٹ جان بوجھ کر لیٹ ہو رہا تھا۔

ہم نے انہیں سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔کہ عدالت تو ہر پاکستانی کے لئے یکساں ہے۔اور ہم جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔مگر وہ تو آئے ہی جھگڑنے کے لئے تھے۔لہذا نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔وہ ہمیں پکڑ کر باہر کی طرف کھینچنے لگے۔باہر ماحول اور زیادہ خطرناک نظر آنے لگا۔اس لئے ہم نے یہی مناسب سمجھا۔کہ باہر کے ماحول سے کمرہ عدالت زیادہ محفوظ ہے۔لہذا ہم نے بھی دفاعی عمل شروع کر دیا اور ان کو باہر نکالنے لگے۔لڑائی دست بدست شروع ہو گئی۔ہم تمام کمرے کی چٹخنیاں اور کنڈیاں لگاتے گئے۔اور لڑتے گئے۔خاصی باکسنگ ہوتی رہی۔آخر کار ہم ان کو کمرہ عدالت سے باہر دھکم پیل کر کے نکال رہے تھے۔کہ آخری دروازہ میں ایک موٹا پہلوان ٹائپ شخص صداقت احمد کو پکڑے ہوئے تھا۔ہم صداقت کو اندر کھینچ رہے تھے۔اور وہ باہر زور لگا رہا تھا۔صرف یہ ایک ہی دروازہ رہ گیا تھا۔جونہی اس نے صداقت احمد کو باہر گھسیٹا۔ہم نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور کنڈی لگا لی۔

کمرہ عدالت سے کچھ فاصلہ پر مولوی منظور چنیوٹی کا مدرسہ تھا۔وہاں سے مزید لوگ آ گئے۔دو تین وکلاء بھی تھے۔سامنے قصائیوں کا محلّہ تھا۔جو چنیوٹی کے الیکشن کے ووٹر تھے۔سب جمع ہو گئے۔ہم نے کھڑکی سے دیکھا۔وہ نعرے بلند کر رہے ہیں۔مولوی منظور چنیوٹی خود بھی نعرے بازی کر رہا تھا۔

باہر صداقت احمد اور حکیم خورشید احمد کا ڈرائیور فرزند علی بیچارے قابو آ گئے۔اور انہوں نے ان کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔یہ بے حد زخمی ہو کر ادھموئے ہو گئے۔ باقی کے لوگ کمرہ عدالت پر حملہ آور ہوئے۔سنگ باری شروع ہو گئی۔وہ خاکسار کی کار کے شیشے توڑ رہے تھے۔کتابیں اور کوٹ وغیرہ پھاڑ رہے تھے۔اور بے شمار پتھراؤ کمرہ عدالت کے دروازوں پر کر رہے تھے۔اور ہم یہ ہنگامہ بڑے اطمینان سے کمرہ عدالت میں کھڑے دیکھتے رہے۔حملہ آوروں نے آوازیں بلند کیں۔کہ مرزائیوں کو کمرہ عدالت سے نکال کر قتل کر دو۔کچھ لوگ ہاکیوں اور چھریوں وغیرہ سے بھی مسلح ہو کر آ گئے۔میں نے چوہدری صلاح الدین صاحب سے کہا کہ وقت آ گیا ہے۔مر گئے تو شہید زندہ رہے تو غازی!

چوہدری صلاح الدین لاء کالج میں میرے کلاس فیلو بھی رہے تھے اور میرے بڑے پیارے مخلص دوست بھی تھے۔وہ کہنے لگے۔کہ" ملک صاحب میرے پاس پستول ہے فکر نہ کریں۔میں کسی کو آپ تک پہنچنے نہیں دوں گا۔" ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔اور نظارہ ایسا تھا۔کہ کسی وقت بھی وہ دروازہ توڑ کر ہمیں ختم کر دیں گے۔لمحہ بہ لمحہ خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔لیکن شائد قدرت ہماری حفاظت کرنا چاہ رہی تھی۔نہ جانے کس وقت خواجہ سرفراز احمد صاحب ایڈووکیٹ (مرحوم و مغفور) عدالت کے پچھلے دروازے سے نکل کر سامنے کچہری میں چلے گئے۔اور وہاں سے کسی عدالت کے ٹیلی فون پر S.P. جھنگ کو اس ہنگامے کی اطلاع کر دی اور کہا۔کہ کمرہ عدالت میں لاہور ہائی کورٹ کے وکیل اور دیگران کے ہمراہی جلوس کے گھیرے میں ہیں اور کسی وقت بھی قتل و غارت ہو سکتی ہے۔S.P. جھنگ نے چنیوٹ DSP پولیس کو خبردار کیا۔کہ اگر کمرہ عدالت میں گھرے ہوئے اشخاص کو کوئی نقصان پہنچا تو تم اور تمہارا عملہ ذمہ دار ہوگا۔(یہ سب ہمیں بعد میں پتہ چلا۔)

ہم نے دیکھا کہ کمرہ عدالت کو حملہ آور چاروں طرف سے گھیر کر پتھراؤ کے علاوہ ہاکیوں اور لاٹھیوں سے دروازے توڑ رہے تھے۔کہ پولیس آنسو گیس اور رائفلوں سے لیس موقع پر آ گئی۔اور ہجوم کو کنٹرول کرنا شروع کر دیا۔عجیب بھیانک سماں تھا۔15/20 منٹ میں ہنگامہ کم ہوا۔تو ایک تھانیدار نے عدالت کے پچھلی طرف سے دروازہ کھٹکھٹایا اور ہمیں باہر آنے کو کہا۔میں نے عرض کیا۔کہ ہم باہر نہیں آئیں گے۔مجسٹریٹ صاحب کو بلائیں۔ہم پیشی بھگت کر ہی جائیں گے۔مگر وہ مصر تھا۔کہ اب کوئی کاروائی نہیں ہونے والی۔لہذا آپ باہر نکل آئیں۔تاکہ ہم آپ کو حفاظت سے ربوہ اپنی نگرانی میں پہنچائیں۔ہمارے انکار پر اس نے DSP کو بلا لیا۔جنہوں نے ہمیں کافی تسلی دی۔کہ پولیس کی گاڑی موجود ہے۔آپ دروازہ کھول دیں اور باہر تشریف لے آئیں۔لہذا ہم باہر نکل آئے۔میری گاڑی ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔تمام کاغذات اور میرا کالا کوٹ پھاڑ کر پھینک دیئے گئے تھے۔ہمیں پولیس کی جیپ میں

بحفاظت ربوہ تھانہ پہنچا دیا گیا۔ جہاں پر میں نے FIR لکھوانے کے لئے کہا۔تو تھانیدار نے کہا۔کہ بیان لکھ کردے دیں۔لہذا ایک کاغذ پر تمام واقعہ کی تفصیل لکھ کردے دی۔بعد میں پتہ چلا۔کہ یہ سب پولیس کی کاغذی کاروائی تھی۔کوئی FIR درج نہ کی گئی تھی۔اور عدالت میں بھی ہنگامہ ایک سوچی سمجھی سازش سے برپا کیا گیا تھا۔اس ہنگامے کے بعدہمیں پتہ چلا۔کہ ہمارے جانے کے فوراً بعد باقاعدہ عدالت لگائی گئی۔ اور ہمارے کیس میں ضمانت کی درخواست پر بحث کے لیے آواز دلائی گئی۔ اور عدالت نے حکم لکھا کہ کوئی حاضر نہیں ہوا ہے۔ لہذا درخواست ضمانت خارج کی جاتی ہے۔ یہ حکم سراسر جھوٹ اور کذب بیانی پر **مبنی** تھا۔ ایسا واقعہ میری ۳۳ سالہ وکالت میں کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ اور وکالت کی تاریخ میں بھی ایسا حادثہ کمرہ عدالت میں کبھی پیش نہیں ہوا تھا۔جو پاکستان کی کھلی عدالت کی مرضی اور باقاعدہ سازش کے ساتھ رونما ہوا۔

اس حادثے کے متعلق لاہور ہائی کورٹ۔ہوم سیکرٹری پنجاب اور اعلیٰ حکام نیز مارشل لاء ہیڈ کوارٹر میں ٹیلی گرام دی گئیں۔مگر یہ ایسا وقت تھا۔کہ اس ملک میں احمدیوں کی فریاد کوئی بھی سننے والا نہیں تھا۔

جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو اس حادثے کا علم ہوا۔تو حضور نے رنجیدہ خاطر ہوکر خط تحریر فرمایا۔

تصویر کا ایک رخ

مسٹر سمیع اللہ عابد مجسٹریٹ دفعہ ۳۰ کے حکم کے خلاف سیشن کورٹ جھنگ میں اپیل دائر کی گئی۔اس وقت جھنگ کے سیشن جج چوہدری نفیس احمد باجوہ مقرر ہو چکے تھے۔جو خاکسار کے کلاس فیلو اور پریکٹس کے دوران باوجود مخالفت کے دوستی کا دم بھرتے تھے۔سرکاری وکیل کو نوٹس ہوا اور تاریخ ۱۱ جولائی ۱۹۸۴ء برائے سماعت مقرر ہوئی

خاکسار ایک دن قبل ربوہ پہنچ جایا کرتا تھا۔ تا کہ دوسرے دن وقت پر پیروی شروع کی جا سکے۔لہذا صبح سات بجے(۱۱ جولائی کو) جب ہم ناشتہ کرکے فارغ ہوئے۔تو پولیس کی دو جیپیں سرائے محبت مہمان خانے آ گئیں۔اور پولیس انچارج نے کہا۔کہ ہمیں حکم ہے۔کہ احمدی وکلاء کو بحفاظت جھنگ پہنچایا جائے۔نیز یہ بھی اطلاع ملی۔کہ چنیوٹ سے ہمارے مخالفین بھی جھنگ روانہ ہورہے ہیں۔اور بتایا گیا۔کہ چنیوٹ سے جھنگ جانے کا راستہ بھی ہمارے لئے خطرناک ہے۔چنانچہ ہمارا قافلہ براستہ لالیاں۔پل سندھیائی جھنگ کو روانہ ہوا۔جب ہم جھنگ شہر کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ تو ایک مجسٹریٹ کے ساتھ پولیس گارڈ کا دستہ ہمارا منتظر تھا۔وہاں پہنچ کر چنیوٹ کے عملہ کو فارغ کر دیا گیا۔اور جھنگ کے عملہ نے چارج لے لیا۔اور شہر میں داخل ہوگئے۔راستہ میں ہر چوک میں پولیس موجود تھی۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔کہ جیسے ہم کوئی بیرون ملک کے نمائندہ وفد ہیں۔اور ہمارا سپیشل انتظام بطور VIP کیا گیا ہے۔یہ قافلہ سیشن جج صاحب کی عدالت کے پچھلی طرف جا کر رکا۔اور پولیس اور مجسٹریٹ نے مجھے سیشن جج صاحب کے ریٹائرنگ روم میں جانے کے لئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔میں دروازے کے اندر کمرہ میں داخل ہوا۔تو سیشن جج نفیس احمد باجوہ صاحب میرے منتظر تھے۔بڑے تپاک سے اٹھ کر ملے اور بڑے خلوص سے پوچھا۔کہ راستہ میں کوئی دقت تو پیش نہیں آئی۔معلوم یہ ہوا۔کہ یہ انتظام انہوں نے اپنے حکم سے کروایا تھا۔میں نے اس حسنِ سلوک کا شکریہ ادا کیا۔اور عدالت میں بیٹھنے کی اجازت چاہی۔انہوں نے کہا۔کہ میں ابھی آ جاتا ہوں۔آپ جا کر انتظار کریں۔ میرے ہمراہ مبارک احمد طاہر مشیر قانونی اور ان کا عملہ بھی عدالت میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھر گیا۔جن میں زیادہ تعداد وکلاء کی ہی تھی۔ سیشن جج صاحب نے ہنگامی حالات کے تحت تمام عدالتوں کا ایک گھنٹہ تک کام کرنا ملتوی کردیا تھا۔تا کہ وہ احمدیوں کا مقدمہ اولین فرصت میں سن کر فارغ ہو جائیں۔دورانِ سماعت وکلاء کے علاوہ عام پبلک کو کمرہِ عدالت میں آنے کی اجازت نہ تھی۔لہذا دیگر لوگ باہر جمع ہوتے گئے۔اور ایک جمِ غفیر اکٹھا ہو گیا۔چنیوٹ اور جھنگ کے مولویوں کا گروہ لوگوں کو اپنے ہمراہ لاکر عدالت سے باہر نعرے بازیوں میں مصروف تھا۔جس سے عدالت کے گھیراؤ کی سی صورت بن گئی۔تاہم اس ماحول میں بھی جج کے آتے ہی کمرہِ عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع کر دی گئی۔ مجھے اتنا یاد ہے۔کہ ایک طرف کمرہ عدالت وکلاء سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور ہم بحث کر رہے تھے۔اور دوسری طرف عدالت کے باہر مشتعل ہجوم پر پولیس لاٹھی چارج کر رہی تھی۔ مجھے تفصیلی بحث کرنے کے لیے ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ وقت دیا گیا۔اگرچہ جج صاحب کو احمدیت اور احمدیت کی مخالفت کا کافی علم تھا۔مگر دوسرے حاضرین کو مجلسِ احرار۔مجلس ختمِ نبوت۔جماعتِ اسلامی اور قیامِ پاکستان کے وقت ان لوگوں کی مخالفت کے متعلق نیز احمدیت کی مخالفت شروع سے کیوں۔ کیسے اور کب ہوتی رہی۔علم نہ تھا۔لہذا اس کا پسِ منظر ضروری سمجھتے ہوئے بحث کی گئی۔

اس کے بعد ضمانت اور واقعات و دوسرے دلائل پیش کئے گئے۔بحث کے دوران دو تین دفعہ جج صاحب کو ٹیلی فون سننے کے لئے اپنے آرام کمرہ میں جانا پڑا۔ اور معلوم ہوا۔کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مقدمہ کے التوا کے لئے زور ڈال رہا تھا۔وہ ہنگامی حالات اور نقصِ امن کے اندیشہ کے تحت مقدمہ ملتوی کرنے کی تاکید کر رہا تھا۔مگر سیشن جج صاحب بحث سننے اور فیصلہ کرنے کے مکمل موڈ میں تھے۔ اور ضمانت منظور کئے جانے میں کوئی امر مانع نظر نہ آتا تھا۔مگر حکومت اور افسر شاہی انصاف کا جنازہ نکالنے کے درپے تھے۔آخری فون پر SP اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جج صاحب کو مطلع کیا۔کہ یہ مقدمہ مارشل لاء کو بھیج رہے ہیں۔اور مارشل لاء کے کیس

میں سول عدالت کو اختیار سماعت نہیں۔لہذا آپ پولیس فائل اور عدالتی فائل مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کو بھیجنے کا حکم صادر فرمائیں۔آخری ٹیلی فون سننے کے بعد جج صاحب نے مایوسی اور افسردگی ظاہر کرتے ہوئے آخر کار یہ فیصلہ سنایا۔کہ "یہ مقدمہ تو ملک صاحب میرے قابل سماعت تھا۔اور میں اس مقدمہ میں ضمانتیں بھی کرنا چاہتا تھا۔مگر اب جو اطلاع ملی ہے۔کہ یہ مقدمہ مارشل لاء میں بھیجا جا رہا ہے۔اس اطلاع نے میرے ہاتھ کاٹ دیئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔کہ میرے لئے سوائے اس اپیل کو خارج کرنے کے کوئی چارہ نہیں۔لہذا اپیل خارج کی جاتی ہے۔تمام وکلاء عدالت نے تسلیم کیا۔کہ یہ مقدمہ ایسا ہے۔کہ جس میں ہمیں پہلی دفعہ پتہ چلا۔کہ احمدیت کی مخالفت اور قیامِ پاکستان کی مخالفت میں مجلسِ احرار۔ختمِ نبوت اور جماعتِ اسلامی کا شروع سے کیا رول رہا ہے۔کیوں کہ تمام واقعات قبل از تقسیم ہند و پاک 1953۔1974۔ حتیٰ کہ 1984 کے حالات کھلی عدالت میں مکمل دلائل کے ساتھ آشکار کر دیئے گئے تھے۔

عدالت سے باہر زور دار ہنگامہ برپا تھا۔خاصے لوگ زخمی ہو چکے تھے۔لاٹھی چارج ابھی جاری تھا۔کہ ہم جج صاحب کے پچھلے دروازے سے جج صاحب کو خدا حافظ اور شکریہ کہہ کر ربوہ روانہ ہو گئے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

مولوی عبد العزیز صاحب بھامبڑی اس مقدمہ میں ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے۔ وہ وقوعہ کے وقت کوئٹہ میں تھے۔پولیس نے اُن کے گرفتاری وارنٹ نکالے ہوئے تھے۔لہذا اُن کی آمد پر قبل از گرفتاری ضمانت کروانے کے لئے ہائی کورٹ تک کوشش کی گئی۔مگر ایڈوکیٹ جنرل کے بیان پر کہ یہ مقدمہ مارشل لاء ہیڈ کوارٹر میں ہے۔اس لئے اختیارِ سماعت نہ ہونے اور مارشل لاء کیس ہونے کی وجہ سے درخواست خارج کر دی گئی۔اس کے بعد مولوی صاحب موصوف از خود گرفتاری دینا چاہتے تھے۔ہم نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی۔مگر مولوی صاحب ایک دن کے لئے بھی رُو پوش نہیں ہونا چاہتے تھے۔ بلکہ ربوہ واپسی کے لئے ہائی کورٹ لاہور ہی سے روانہ ہو گئے۔میں نہیں چاہتا تھا۔کہ یہ بزرگ پولیس ربوہ کو گرفتاری دے کر کسی قسم کے تشدد کا شکار ہوں۔چند عزیزوں نے انہیں اس دن لاہور چھاؤنی میں رات بھر روک لیا۔لہذا مولوی صاحب نے واضح طور پر مصمم ارادہ کر لیا تھا۔کہ وہ اپنے دوستوں کے پاس جیل جانا چاہتے ہیں۔ دوسرے دن میں انہیں خود لے کر فیصل آباد مارشل لاء کورٹ میں پیش کرنے لے گیا۔کیونکہ تمام ''ملزمان'' چوہدری ظہور احمد باجوہ۔حکیم خورشید احمد۔خواجہ مجید احمد وغیرہ ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد میں مقید تھے۔اور مولوی صاحب موصوف بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ شمولیت کے لئے بے قرار تھے۔

جب ہم مارشل لاء سپیشل ملٹری کورٹ میں پہنچے۔تو جملہ ملزمان بھی ریمانڈ کے لئے عدالت کے باہر حاضر تھے۔میں مولوی صاحب کو ہمراہ لے کر درخواست ضمانت پیش کرنے عدالت میں داخل ہوا۔تو ایک میجر صاحب عدالت کر رہے تھے۔اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔اور بڑے خلوص سے ہاتھ ملایا۔اور کرسیاں پیش کیں۔اِن کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔اور کوئی شریف ملٹری آفیسر دکھائی دیتے تھے۔انہوں نے درخواست پڑھی۔تو کہا۔کہ "مجھے تو ضمانت کا اختیار نہیں۔البتہ یہ درخواست ہیڈ کوارٹر کھاریاں جائے گی۔" میں نے عرض کیا۔کہ "مجھے معلوم ہے۔کہ آپ ضمانت نہیں کر سکتے۔در اصل میں ملزم کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔"تو وہ حیران ہو گیا اس نے مولوی صاحب کو کھڑے ہونے کے لئے کہا۔اور باہر جو تھانیدار ہمارے ملزمان کے ساتھ آیا ہوا تھا۔اُس کو وارنٹ بنا کر دیا۔اور اس طرح مولوی صاحب موصوف باہر اپنے دوستوں کو جا کر گلے ملے۔اور فیصل آباد جیل چلے گئے۔جیل کے اندر یہ تمام ملزمان با جماعت نمازیں پڑھتے۔تہجد پڑھتے۔تبلیغ کرتے اور فیصل آباد کی جماعت و دیگر اہلِ خانہ ان کی خوراک وغیرہ کا بہت خیال رکھتے۔جیل کے عملہ سے خاصے تعلقات ہو گئے تھے۔اور ایسے ملزمان کو مشقت وغیرہ بھی نہ کرنا پڑتی تھی۔بہر حال مجھے یاد ہے۔حکیم خورشید احمد کا ڈرائیور فرزند علی ربوہ سے باقاعدگی سے کھانا پھل وغیرہ لایا کرتا تھا۔

جیل کے حالات کا مولوی صاحب سے بعد میں پتہ چلا۔کہ جیل کی انسپکشن پر کوئی بریگیڈیر صاحب آئے۔تو انہوں نے اِن بزرگوں کا گروپ دیکھ کر پوچھا۔کہ یہ کون لوگ ہیں؟ پتہ چلا کہ یہ احمدی ہیں۔اور یہ شریف لوگ کسی مقدمہ میں ملوث ہیں۔ جو مارشل لاء ہیڈ کوارٹر میں پڑا ہوا ہے۔ہائی کورٹ میں ملزمان کی ضمانت کے لئے درخواست بعد از گرفتاری دی تھی۔جس پر ایڈووکیٹ جنرل کو نوٹس دیا گیا۔جب رپورٹ طلب ہوئی تو پتہ چلا۔کہ اسی بریگیڈیر صاحب نے اپنی رپورٹ جیل کے ڈپٹی ایڈمسٹریٹر کو بھیجی تھی۔جس نے DIG Police کو لکھا۔کہ ہیڈ کوارٹر میں اس مقدمہ کا گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔جو عام قسم کا مقدمہ ہے۔اور اس کو محض دباؤ کے تحت ملٹری میں سماعت کے لئے بھیجا گیا ہے۔حالانکہ یہ ملٹری کورٹ میں بھیجے جانے کے قابل نہیں۔لہذا عام فہم مقدمہ کی طرح اس کو سول کورٹ میں سنا جائے۔لہذا 3 ستمبر 1984 کو اس مقدمہ کو ہائی کورٹ کے جسٹس ضیا محمود مرزا نے سماعت کیا۔خاکسار کے علاوہ چوہدری عزیز احمد باجوہ۔چوہدری محمد عبداللہ باجوہ اور چوہدری اے۔وحید سلیم ایڈووکیٹس نیز فاروق بخت بیدار A. Advocate General پنجاب کے دلائل سننے کے بعد ملزمان کی پچاس پچاس ہزار فی کس ضمانتوں کا حکم دیا۔میرے والد چوہدری عبدالمجید خان بھی عدالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔عدالت نے اُن سے پوچھا یہ بزرگ کیسے آئے ہیں۔میں نے عرض کیا۔یہ میرے والد ہیں۔اور عبد العزیز بھامبڑی جو اس مقدمہ میں ملزم ہیں۔کے دوست ہیں۔چنانچہ والد صاحب کو ان کا ضامن قبول کر کے ضمانت منظور کر لی۔اور رہائی کا پروانہ جاری کر دیا۔بعد میں یہ مقدمہ ربوہ کی عدالت میں پولیس نے بھیج دیا۔مگر ہم نہیں چاہتے تھے۔کہ اس کی

ساعت ربوہ میں کسی ہنگامے یا نا مناسب حالات کا باعث بنے۔لہذا انتقال مقدمہ کی درخواست ہائی کورٹ میں دے دی گئی۔اور یہ مقدمہ سرگودھا بھیج دیا گیا۔وہاں پر ہم نے بھی ایک استغاثہ مولوی اللہ یار ارشد اور اس کے دو ہمراہیوں کے خلاف کر دیا۔پھر یہ مقدمے اکٹھے کروائے گئے۔یہ مقدمہ مختلف عدالتوں سے منتقل ہوتا ہوا ایک ایسے مجسٹریٹ کی سماعت کے لئے بھیج دیا گیا۔جو شیعہ عقائد رکھتے تھے۔لہذا کسی فریق کی رعایت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔خاکسار نے ایک اور درخواست ضابطہ فوجداری کے پیش کی۔کہ ضابطے اور سپریم کورٹ کی رولنگ کے تحت استغاثہ پہلے سماعت کیا جاتا ہے۔اور فوجداری کیس بعد میں سماعت ہوگا۔اس لئے ہمیں موقع دیا جائے۔مجسٹریٹ صاحب نے درخواست منظور کرلی۔ہم نے ابتدائی شہادت پیش کی۔اور مجسٹریٹ نے مولوی اللہ یار ارشد وغیرہ کو طلب کیا۔مولوی اللہ یار ارشد کا ملزم بننا تھا۔کہ ختم نبوت والے نیز مولوی منظور چنیوٹی بھی بہت سٹپٹایا۔8۔10 دفعہ مولوی اللہ یار ارشد کو حاضر ہونا پڑا۔تو خرچہ کا سوال پیدا ہوا۔

مولوی اللہ یار کے دیگر ہمراہیوں نے پیش ہونے میں دیری کر دی۔وارنٹ جاتے اور واپس آتے۔اور مقدمہ طویل ہوتا گیا۔مولوی مذکور کے مالی حالات بھی ناگفتہ بہ ہوتے گئے۔لہذا وہ سخت پریشان ہوگیا۔کوئی سرگودھا جانے کا کرایہ بھی نہ دیتا تھا۔

آخرکار وہ کافی عرصہ بعد تنگ آ گیا اور صلح کے لئے کہنے لگا۔لہذا ہر دو مقدمات میں صلح صفائی ہوگئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب ملزمان بری کر دیئے گئے۔

وہ تاجر احمدی نکلا......!

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر فرماتے ہیں:

میرے ایک غیر احمدی دوست عبد المجید صاحب تھے۔جو چھاؤنیوں میں گوشت بہم پہنچانے کے ٹھیکیدار تھے۔اور بہت مالدار آدمی تھے۔انہوں نے بیان کیا۔کہ میں نے ایک دفعہ پانچ سو بھیڑوں کا سودا بھیڑوں کے مالک کے کارندے سے کرلیا۔اور بیعانہ بھی دے دیا۔سودا مکمل ہو گیا۔اور میرے لئے یہ سودا بہت نفع مند تھا۔جب میں قیمت لے کر گیا۔تو بھیڑوں کے اصل مالک نے قیمت لینے سے انکار کرتے ہوئے سودے کو فسخ کر دیا۔اور بتایا کہ اس کے کارندے نے دیانت نہیں برتی۔دراصل ان بھیڑوں میں بیماری پھیل چکی ہے۔اور چند دن میں ان کا مرجانا اغلب ہے۔اور اس لحاظ سے دیانت داری کے خلاف ہے۔کہ میں آپ سے قیمت وصول کروں۔جس میں سراسر آپ کا نقصان ہے۔عبد المجید صاحب کا بیان تھا۔کہ میں اس تاجر کی دیانت اور امانت پر حیران رہ گیا۔اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تاجر احمدی تھا۔

("مضامین مظہر" ص 176)

محمدؐ کا خدا اپنا خدا ہے

(صابر ظفر کراچی) ؎۱

وصالِ یار سے مجھ پر کھلا ہے — محبّت ہی محبت کی جزا ہے
ہمیں سچّا سمجھتی ہے جو دُنیا — شہادت در شہادت کا صِلہ ہے
قسم اپنے شہیدوں کی ہے مجھ کو — کہ باقی اُن سے یادِ کربلا ہے
خُدا دُشمن کو بھی رکھے نہ پیاسا — مرے سُوکھے ہوئے لب پر دُعا ہے
جو ناواقف ہیں ہم سے، جان لیں وہ — محمّدؐ کا خُدا اپنا خُدا ہے
جُدا اُن سے نہیں منزل ہماری — جُدا اُن سے ہمارا راستہ ہے
رہے گی حشر تک اُسؐ کی شریعت — مرا مولا محمّدؐ مصطفٰے ہے
غلام اُسؐ کا مگر آتا نہ کیسے — کہ دروازہ غلامی کا کھُلا ہے
ظفؔر جانے بھٹک جاتا کدھر کو — خلافت نے اُسے رستہ دیا ہے

؎ صابر ظفؔر، پاکستان کے معروف احمدی شاعر ہیں جن کے سات شعری مجموعے ابتدا، دُھواں اور پھُول، پاتال جتنی آنکھیں اچھی ہوں گی، دریچہ بے صدا کوئی نہیں ہے، لہو ترنگ اور دُکھوں کی چادر شائع ہو چکے ہیں۔

ناصر احمد وینس

تماشہ کرائے محوِ آئینہ داری!

۱۹۷۴ء میں زیڈ اے بھٹوحکومت نے اپنے بعض سیاسی مفادات کے طابع، افرادِ جماعت احمدیہ پرنان مسلم ہونے کا سرکاری فتویٰ لگا کر تاریخِ اسلام میں ایک انوکھے فیصلے کی بنیاد رکھی۔اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں معاندینِ اسلام کی جانب سے مسلمان حکومتوں پر تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے اور لوگوں کو جبراً کلمہ پڑھوا کر مسلمان بنانے کے الزامات تو لگتے رہے ہیں۔لیکن کسی کلمہ گو مسلمان کو جبراً کلمہ پڑھنے سے روکنے، خود کو مسلمان سمجھنے یا کہنے اور اسلامی عبادات بجا لانے پر قدغنیں عائد کرنے کی غالباً یہ واحد مثال ہے۔اس انوکھے مگر ظالمانہ فیصلہ پر جہاں قیامِ پاکستان کے شدید ترین مخالف فتویٰ فروش ملاؤں (جنہوں نے اب تحفظِ ختمِ نبوت کا اوور کوٹ پہن رکھا ہے) کی طرف سے بغلیں بجائی جاتی ہیں۔نیز اُن کے بعض ہم نوا لفافہ بردار صحافیوں کی طرف سے تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔۔وہاں معدودے چند روشن خیال دانشورانِ قوم کی طرف سے قرآن و سنت، مسلمہ جمہوری اصولوں اور اقوام متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق کے عالمی چارٹر کے سراسر منافی اس بہیمانہ سیاسی فیصلے پر کی گئی تنقید بھی کبھی کبھار دیکھنے میں آ جاتی ہے۔جسے اقبال کے منظوم حرفوں نے کچھ یوں منعکس کر رکھا ہے

تجھے کیا پڑی ہے زاہد میری طرزِ بندگی سے\
نہ حرم تیری وراثت نہ خدا تیرا اجارہ

زیرِ نظر تبصرہ، بھٹو حکومت کی عطا کردہ "فخریہ پیشکش"، یعنی لاکھوں کلمہ گوؤں کے خارج از دائرہ اسلام فیصلے کے متعلق پاکستان کے دو مختلف الرائے افراد کے اُس نکتہ ہائے نظر اور بیانات کے پس منظر میں لکھا گیا تھا۔جو چند سال پیشتر ٹورانٹو کے ایک اردو ہفت روزہ نے پاکستانی اخبارات سے فوٹو کاپی کر کے شائع کئے تھے۔

تبصرہ ہذا لکھے جانے کے وقت پاکستان میں بے نظیر بھٹو کی حکومت برسرِ اقتدار تھی۔جس کے حوالے سے بھی بعض باتیں تبصرے میں شامل ہیں۔البتہ بعد ازاں یہ حکومت بھی پیپلز پارٹی کے انتہائی وفادار متصور کئے جانے والے صدرِ پاکستان کے ہاتھوں کرپشن کے الزامات کے نتیجہ میں ڈسمس کر دی گئی تھی۔حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ سے قطع نظر ۱۹۷۴ء میں شہریوں کے ذاتی عقائد میں حکومتی "دخل در غیر معقولات" کے نتیجہ میں اس بد قسمت ملک و قوم پر پڑنے والے نحوستوں کے سائے آج بھی پوری قوم کے حال و مستقبل کو گہنائے ہوئے ہیں۔چنانچہ "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں" کے لئے" کے نظریہ کے پیشِ نظر لکھا جانے والا زیرِ نظر غیر طبع شدہ" تجزیاتی تعاقب اتمام حجت کی خاطر شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔اس تبصرہ کی ایک نقل ٹورانٹو کے متذکرہ اردو ہفت روزہ کو بھی بھجوائی گئی تھی۔(ادارہ)

قلمی لاٹھی چارج"

پچھلے دنوں ایک پاکستانی سیاست دان مسٹر حاکم علی زرداری کا ایک اخباری انٹرویو (جس میں احمدیوں والی آئینی ترمیم کا بھی تذکرہ تھا) اخباری صفحات کی زینت کیا بنا، کہ اس پر مختلف سیاسی و صحافتی پنڈتوں نے اپنی اپنی ڈفلی اٹھائی اور کالموں اور تبصروں کی صورت میں مختلف راگنیاں الاپنی شروع کر دیں۔نوائے وقت نے ایک پورا اداریہ لڑھکا دیا۔ جبکہ ایک اور اخبار روز نامہ خبریں (لاہور) کے کالم نویس مسٹر ہارون الرشید نے اپنے "ناتمام" نامی کالم کا پیٹ بھرنے کے لئے حاکم علی زرداری کے انٹرویو میں احمدیوں کے متعلق دیئے گئے بیان پر اندھا دھند قلمی لاٹھی چارج برسایا۔واضح رہے۔کہ مسٹر ہارون الرشید اپنے کالموں میں (اسلام کو نعرے اور حربے کے طور پر استعمال کر کے اپنے متشدد انہ نظریات کے ذریعے بعض مخصوص مفادات کے اصول میں ہمہ وقت کوشاں رہنے والی قیامِ پاکستان کی شدید مخالف) جماعتِ اسلامی کی تعریف و توصیف میں اکثر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں۔لہٰذا مودودی جماعت کا ایک نمکخوار "صالح کالم نویس" ہونے کے ناطے (قیامِ پاکستان میں قائدِ اعظم کی واحد حلیف مذہبی جماعت) جماعت احمدیہ کے متعلق حاکم علی زرداری کے اصولی مئوقف پر اس کالم نگار کے پیٹ میں شدید مروڑ بھلا کیسے نہ اُٹھتے۔۔؟!

ٹورانٹو کے مقامی اردو ہفتگی جریدے مسمی "پاکیزہ" میں مکرّر اشاعت پذیر ہونے والے اخبار "خبریں" کا یہ جماعتیہ کالم نویس جناب حاکم علی زرداری کے اس بیان پر کہ:

"میں قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے خلاف تھا کیونکہ اس طرح اسمبلی نے اپنے اختیار سے تجاوز کیا۔۔"

پر چیں بہ چیں ہوتے ہوئے اپنے کالم کا لٹھ کچھ اس طرح گھماتا ہوا نظر آتا ہے:۔

"قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا اگر اسمبلی کا اختیار نہ تھا تو کس کا اختیار تھا؟ اگر قادیانی نبی اور اس کے خلفاء کو یہ اختیار تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کو کافر کہیں تو مسلمانوں اور ان کی منتخبہ اسمبلی کو یہ اختیار کیوں نہ تھا؟ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ عوامی احساسات کی قوت کا ادراک رکھنے والے ذوالفقار علی بھٹو نے یہ فیصلہ کر کے غلط قدم اٹھایا تھا؟ اور کیا یہ فرض کیا جائے کہ حج کی عام اجازت، جمعہ کی تعطیل، ریس اور شراب کی بندش کے جو فیصلے ان کی حکومت نے صادر کئے، وہ بھی ناقص اور احمقانہ تھے؟..." (بحوالہ ہفتگی پاکیزہ ٹورانٹو ۲۴ تا ۳۰ جنوری ۱۹۹۶ صفحہ ۶)

اختیار نامہ اور "ضیاء الحقی" پر مبنی ایک دلپذیر مشورہ:

مسٹر ہارون الرشید کے "نا تمام" نامی کالم میں دیئے گئے مندرجہ بالا دلائل میں منطق، دلیل اور ترتیب کو تلاش کیا جائے۔ تو موصوف کے کالم ہذا کی عجیب و غریب وجہ تسمیہ سمجھ میں آنے لگتی ہے۔! لیکن شائد یہ چیز جملۂ معترضہ ٹھہرتی ہو۔ لہٰذا اِس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف کالم نگار کے مندرج دلائل کے جائزے تک قلم محدود رکھا جا رہا ہے۔

- یہ جو موصوف نے سوال اٹھایا ہے کہ:

"قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا اگر اسمبلی کا اختیار نہ تھا تو کس کا اختیار تھا۔"

اس سوال کا جواب آنمکرم نے اپنے ایک اور کالم میں غیر ارادی طور پر خود ہی دے دیا ہے۔ اتفاق سے وہ کالم ٹورانٹو ہی کے اس متذکرہ بالا مقامی ہفت روزہ کے ۳۱ جنوری تا ۶ فروری ۱۹۹۶ء کے پرچہ میں شائع ہو کر نظر سے گذرا۔ کالم کا موضوع سخن صدرِ پاکستان کو ایک اہم مشورہ تھا۔ جس کی سرخی تھی: "تماشا کرائے محوِ آئینہ داری" اس کالم کے ذریعے صدرِ پاکستان کو حکومتِ وقت کے ساتھ "ضیاء الحقی" کرنے یعنی جونیجو حکومت کی طرح کھڑے کھڑے چلتا کر دینے کی ترغیب دیکر ثواب دارین کمانے کا مشورہ کچھ یوں دیا ہے:

"۔۔کیا دن میں چھ بار خدا کے حضور سربسجود ہونیوالے صدر، روزِ قیامت پروردگار کو یہ بتائیں گے کہ اپنے اخلاقی فرائض ادا کرنے کی بجائے، وہ پارلیمانی نظام کے تقاضے نبھاتے رہے۔۔ کیا پارلیمانی نظام کوئی معبود ہے، جس کی عبادت کی جائے؟ جناب صدر! ایک لمحہ رک کر غور کیجئے یہ تو شرک ہے شرک، خدا کی بندگی سے انحراف اور اس صورت حال میں اس کے بندوں سے بے وفائی بھی۔"

(بحوالہ ہفت روزہ پاکیزہ ٹورانٹو ۳۱ جنوری تا ۶ فروری ۱۹۹۶ء صفحہ ۶)

مسٹر ہارون الرشید کے مندرجہ بالا الفاظ کی روشنی میں غور طلب امر یہ ہے۔ کہ اگر پارلیمانی نظام یعنی اسمبلی کوئی معبود نہیں اور لا ریب یقیناً نہیں۔ تو پھر خدا اور رسول کے واضح احکامات و ارشادات کو نظر انداز کر کے ۱۹۷۴ء کی پاکستانی پارلیمنٹ نے لاکھوں کلمہ گو احمدیوں کے ایمان و عقیدے کا فیصلہ کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیکر جس طرح (نعوذ باللہ) معبود بننے کی کوشش کی اسے کیا نام دیا جائے گا؟ ہارون الرشید صاحب پر اپنے ہی لکھے مندجہ بالا الفاظ کی رُو سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جانی چاہئے۔ کہ انسانوں کے ایمان و عقیدے کا فیصلہ کرنے کا اختیار کسی دنیاوی اسمبلی، ملاں، مفتی، قاضی یا کالم نویس کو نہیں صرف اور صرف ہر عیب سے پاک خدائے بزرگ و برتر کو حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے اس اختیار کے متعلق قرآنِ حکیم میں کھول کر بیان فرماتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٨﴾ (سورہ حج آیت ۱۸)

یعنی یقیناً جو لوگ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی بن گئے۔ اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے شرک کیا۔ اللہ یقیناً ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ اللہ یقیناً ہر چیز پر نگران ہے۔

یہ آیتِ ربانی قطعی اور واضح طور پر بیان کر رہی ہے۔ کہ انسانوں کے ایمان و عقیدے کا فیصلہ کرنے کا اصل اختیار کس کو ہے؟ کیا قومی اسمبلی نعوذ باللہ خدا اور اس کے رسولؐ سے بڑی ہے۔ کہ انسانوں کے ایمان کے بارہ میں اس کا فیصلہ برحق مان لیا جائے۔

یہ کردار.... یہ عالمِ ڈھٹائی

پھر جن ممبران قومی اسمبلی نے اپنی اکثریت کے بل بوتہ پر آئین میں احمدیوں کے "نان مسلم" ہونے کا سرکاری فتویٰ دیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے خلاف ضیاء حکومت نے جو قرطاسِ ابیض شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ان ممبرانِ بھٹو اسمبلی کی اخلاقی حالت کس صاحب ایمان کے نزدیک مستحسن اور قابل رشک ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ اس مرحومہ اسمبلی کی ہیئت ترکیبی میں ایسے ممبران بھی شامل تھے جو کیمونسٹ، دہریہ، ہندو اور مشرک وغیرہ ہونے کے باعث خود تو اسلام سے دور کی نسبت بھی نہ رکھتے تھے۔ لیکن ان کی ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی کے مسلم یا ناٹ مسلم ہونے کا فیصلہ کرنے بیٹھ گئے۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ:

پھر اس سے بھی حیرت انگیز امر یہ کہ جس سربراہِ اسمبلی نے "ہیرو" بننے کی خاطر اسمبلی سے یہ ترمیم منظور کروائی تھی وہ جلد ہی مکافاتِ عمل کے نتیجہ میں قانونِ ملکی کے ہاتھوں قتل کا مجرم قرار دے کر تختۂ دار پر کھینچ دیا گیا.... تاہم مجرم قرار دینے سے قبل ایک مرتبہ پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ میں عدالت کے اس ریمارکس پر کہ "وہ صرف برائے نام

مسلمان ہے" اس نے اپنے دفاع میں یہ ریکارڈ شدہ بات کہی تھی۔کہ "یہ تسلیم شدہ اصول ہے۔کہ جو شخص کلمہ پڑھتا ہے۔وہ مسلمان ہے۔اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسے غیر مسلم کہے۔"(روزنامہ مساوات ۲۰ دسمبر ۱۹۷۸ء) اور جب اسی عدالت میں اس سے یہ سوال کیا گیا۔کہ پھر آپ نے احمدیوں کو غیر مسلم کس طرح قرار دیا تھا۔تو "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کے مصداق کہہ دیا۔کہ "وہ تو ایک سیاسی بات تھی!" کیا یہ تعجب انگیز بات نہیں کہ جو اسمبلی کرپٹ قرار دے کر توڑ دی گئی ایسی اسمبلی کو اختیار دیکر یہ فیصلہ کروایا جائے۔کہ کون سا کلمہ گو فرقہ مسلمان ہے۔اور کون سا غیر مسلم؟ اور پھر اس کے "فیصلہ" پر دادو تحسین کے ڈونگرے بھی برسائے جائیں؟ کسی شاعر نے یہ شعر بلا وجہ نہیں کہا تھا۔کہ

ہر اک پہ لگا دیتا ہے تُو کفر کا فتویٰ
اسلام تیرے باپ کی جاگیر نہیں ہے

افتراء اور مغالطہ انگیزی کی بیساکھیاں:

خبریں کے کالم نویس نے اگلی دلیل یہ دی ہے۔کہ

"اگر قادیانی نبی اور اس کے خلفاء کو یہ اختیار تھا۔کہ وہ مسلمانوں کو کافر کہیں تو مسلمانوں کو اور ان کی منتخب اسمبلی کو یہ اختیار کیوں نہ تھا؟"

اس دلیل میں افتراء اور مغالطہ انگیزیوں کی بیساکھیوں کا سہارا لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ اور آپ کے خلفاء پر یہ الزام کہ انہوں نے دیگر مسلمانوں کو کافر کہا، قطعی غلط ہے۔ جماعت احمدیہ کا مسلک ہرگز کسی کلمہ گو مسلمان کو غیر مسلم نہیں کہتا۔تکفیر کی ساری بات یہاں سے چلی۔کہ بعض مسلمان علماء نے اپنی کم فہمی اور احمدیت دشمنی کی بنا پر بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام پر کفر کے فتوے عائد کئے۔تو انہوں نے جواباً لکھا کہ چونکہ ازروئے قرآن و حدیث میں اپنے آپ میں کوئی وجہ کفر نہیں پاتا اور آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سب کی مسلمہ ہے۔کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔اس لئے مجھے کافر کہنے والے سرکارِ دو عالم ﷺ کے اس ارشادِ مبارکہ کی رُو سے خود کافر بن گئے ہیں۔پس اگر کوئی حضرت مرزا صاحب یا آپ کے خلفاء پر دوسرے مسلمانوں کو (جماعت احمدیہ کے مذکورہ مسلک کے علی الرغم) کافر ٹھہرانے کا الزام لگاتا ہے، اسے یا تو حقیقت کا علم نہیں اور یا پھر وہ عمداً جھوٹ بول رہا ہے۔حضرت بانیٔ جماعت احمدؑیہ خود پر لگنے والے فتویٰ ہائے کفر کے پشتارہ کو منظوم کلام کی شکل میں اٹھائے اپنے مولیٰ اور اسکے محبوب ترین بندے حضرت محمد عربی ﷺ کے کوچۂ عدالت میں کچھ یوں حاضر ہوتے ہیں

قوم کے ظلم سے تنگ آکے مرے پیارے آج
شورِ محشر ترے کوچہ میں مچایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے
تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

"مسلمانوں" کی منتخب اسمبلی کی منطق:

اب رہا سوال "مسلمانوں کی منتخب اسمبلی" کا اختیارِ کافرگری!

اوّل تو یہ بات بھی حقائق کے سراسر منافی ہے۔کیونکہ اس اسمبلی کو صرف پاکستانی مسلمانوں نے نہیں۔بلکہ پاکستانی شہریوں نے منتخب کیا تھا۔جن میں عیسائی، ہندو، پارسی وغیرہ سب شامل تھے تاہم مسلمانوں کے حوالے سے بھی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ احمدیوں کے متعلق ظالمانہ آئینی ترمیم پوری قوم کا مطالبہ ہر گز نہ تھا۔اور اس بات کا ثبوت ۱۹۷۰ء کے قومی انتخابات میں جماعت اسلامی کا منشور تھا۔جس میں یہ بات درج تھی۔کہ اگر وہ برسرِ اقتدار آ گئی تو وہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے گی۔راقم الحروف اُن دنوں اسکول کا طالب علم تھا۔تاہم مجھے یاد ہے۔کہ ریڈیو پر نشر کی جانے والی اپنی انتخابی تقریر میں مولانا مودودی صاحب نے اپنا منشور بیان کرتے ہوئے اِس شق کا بھی ذکر کیا تھا۔ جسے پوری پاکستانی قوم نے سنا۔لیکن اس کے باوجود اس جماعت کو مغربی پاکستان میں صرف تین سیٹیں ملی تھیں۔جن میں مغربی بازو کے سب سے بڑے صوبے پنجاب سے واحد سیٹ ڈیرہ غازی خان کے حلقہ سے ملی۔جس کا صاف مطلب یہ ہے۔کہ صرف مغربی پاکستان کے ڈیڑھ فیصد لوگ بھی اس کے ہم نوا نہ تھے۔لہذا "مسلمانوں کی منتخب اسمبلی" کی منطق بھی بالکل بھونڈی، لغو اور بے بنیاد ہے۔اسی طرح دینی اعتبار سے "اکثریت" کے لفظ کو قرآنِ حکیم کے ارشادات کی روشنی میں پرکھا جائے۔تو قرآن کریم نے تو یہ کہہ کر اکثریت کی لُٹیا ہی ڈبو دی۔کہ

"وَ اِنْ تطع اکثر یحق فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ"

یعنی اگر تو اکثریت کے پیچھے لگے گا۔تو وہ تجھے اللہ کے راستہ سے دور لے جائے گی۔چنانچہ تمام انبیاء کے ابتدائی پیروکار اس کی واضح مثالیں ہیں۔

آئینی شقوں کی باہم متضاد بیانی وٹکراؤ:

لیکن اس کے باوجود اگر یہ کالم نگار صاحب احمدیوں سے متعلق کی گئی آئینی ترمیم کو جمہوری اور اکثریتی نکتۂ نگاہ سے حق بجانب قرار دینے پر بضد ہیں تو بھی یہ ترمیم آئینِ پاکستان کی شق نمبر20 سے باہم متضاد اور اس کی ناسخ ہے۔کیونکہ آئین کی شق نمبر20 بالوضاحت اعلان کرتی ہے۔کہ "پاکستان کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے۔کہ جو مذہب وہ چاہے، اسے اختیار کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے"

جبکہ احمدیوں کے متعلق کی گئی ترمیم، اسی آئین کا منہ چڑاتے ہوئے ایک پاکستانی احمدی کے عقیدے پر تبر رکھتی ہے۔اور اسے آئینی و قانونی اغراض کے لئے "ناٹ مسلم" قرار دیتی ہے۔جو نہ صرف اقوامِ متحدہ کے حقوقِ انسانی کے عالمی منشور کے خلاف ہے جس پر پاکستان نے دستخط کر رکھے ہیں۔بلکہ ماڈرن جمہوریت کی تاریخ میں بھی اپنی نوعیت کی منفرد اور بدترین مثال ہے۔

جمہوری اصول و روایات:

جمہوریت کی کچھ قیود و حدود ہیں۔جن کی رُو سے کسی جمہوری حکومت کو ہر گز یہ حق حاصل نہیں ہے۔کہ وہ اپنی رعایا کے کسی فرد کا مذہب خود تعین کرے۔

اٹلی اور سپین کی دونوں حکومتیں مذہبی لحاظ سے سخت قسم کی متعصب اور کٹر کیتھولک مشہورِ عام ہیں۔جہاں پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی بمشکل پانچ فیصد ہوں گے۔لیکن ان دونوں حکومتوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ملک کی پارلیمنٹ میں یہ قانون پاس نہیں کیا۔کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی، آئینی اور قانونی اغراض کے لئے "ناٹ عیسائی" ہیں!

کیا میری ضد میں باغباں سارا چمن جلائے گا:

اسی طرح اگر "اکثریت" کے بل بوتے پر دنیا کے بیشتر ممالک کی حکومتیں (جہاں مسلمان بالعموم پہلے ہی اقلیت میں ہیں۔) وہاں پاکستان جیسے قوانین بنا دیں۔

بالخصوص ہندوستان میں بال ٹھاکرے جیسا انتہا پسند معاند اسلام لیڈر برسر اقتدار آ کر اپنے "اکثریت" کے حق کو استعمال کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلم شہریوں کیساتھ وہی سلوک روا رکھے جو پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ رکھا جا رہا ہے اور جس کی ہارون الرشید ایسے "اسلام پسند" دانشور پورے شد و مد سے وکالت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔تو کیا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص ہندوستان اور دیگر ممالک کے ان قوانین کی تائید و حمایت کر سکتا ہے؟ مگر حیرت سے یہ کہنا پڑتا ہے۔کہ جب ہندوستان کے حوالے سے ہی یہی سوال ۱۹۵۳ء کی اینٹی احمدیہ فسادات کی تحقیقاتی عدالت میں "مفکرِ اسلام" اور "صاحبِ تفہیم القرآن" مولانا مودودی صاحب سے عدالت نے پوچھا۔تو انہوں نے جو جواب دیا وہ شاہکار بھی ہے اور لاجواب بھی!

منیر انکوائری رپورٹ میں شائع شدہ مولانا کا جواب تھا:

"یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔کہ (ہندو) حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے۔ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دیئے جائیں"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۴۵)

انا للہ و انا الیہ راجعون

محض احمدیت دشمنی کی آڑ میں اپنے موہوم تھیا گریسی عزائم کی تکمیل کی خاطر مسلمانانِ عالم کے بنیادی انسانی حقوق کو اپنی رعونت فکر کی بھینٹ چڑھا دینے والے فکرِ مودودیت کے اِس ''رُخِ تاباں'' پر، بحیثیت احمدی، راقم الحروف فقط یہی کہہ سکتا ہے۔ ع

" کیا میری ضد میں باغباں سارا چمن جلائے گا ؟"

"ہیرو" بننے کا جنون:

دُکھ تو اِس بات کا ہے۔کہ چمن کو جلانے میں متشدد ملائیت کے ساتھ ساتھ سیکولر یعنی غیر متعصب ذہن رکھنے کا دعویٰ کرنے والے سربراہِ حکومت مسٹر بھٹو بھی مذہب کو سیاسی آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے (احمدیوں کے خلاف) مذہبی فساد انگیزی کی آگ بھڑکاتے رہے یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔کہ ۱۹۷۴ء میں ہیرو بننے کیلئے "ختمِ نبوت" کا ڈرامہ خود بھٹو صاحب نے سٹیج کروایا۔جسے اردو ڈائجسٹ کے مدیر الطاف حسن قریشی نے یوں واضح کیا تھا "ذوالفقار علی بھٹو نے (۱۹۷۴ء میں) یہ اقدام، سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے اُٹھایا تھا۔کچھ باخبر حلقے تو یہاں تک کہتے ہیں۔کہ قادیانیوں کے خلاف ہنگامہ آرائی کے مواقع مسٹر بھٹو نے ہی فراہم کئے تھے"

(ماہنامہ اردو ڈائجسٹ مارچ ۱۹۷۶ء)

گھر کے بھیدی:

جماعت اسلامی اور پیپلز پارٹی کی دیرینہ مخاصمت کی بنا پر ممکن ہے۔جماعتِ اسلامی کے اس دانشور (مدیر اردو ڈائجسٹ) کی بات کو بعض حلقے درخورِ اعتناء نہ سمجھیں۔مگر اب تو پیپلز پارٹی کے بعض پرانے نمکخوار جیالوں نے (جو اُس ڈرامے میں 'بالائی ہدایات' پر اہم کردار ادا کرتے رہے) اُس دور کے راز و نیاز کھلے عام اُگلنے حتیٰ کہ احاطۂ تحریر میں بھی لانے شروع کر دیئے ہیں۔مثلاً پیپلز پارٹی کے ایک اولین سر گرم سیاسی کارکن طارق وحید بٹ (سابق سالار پیپلز گارڈ لاہور و ممبر پنجاب اسمبلی) نے اپنی سیاسی یادداشتوں پر مشتمل کتاب "میری آواز" شائع کی ہے۔بطور تعارف معروف صحافیوں جنگ کے عبدالقادر حسن، نوائے وقت کے نذیر ناجی، مشرق کے نذیر حق اور ریاض بٹالوی وغیرہ کی آراء بھی شاملِ کتاب ہیں۔ذوالفقار علی بھٹو کے کارناموں کو سراہتے ہوئے ایک جگہ "تحریکِ ختمِ نبوت" کے ذیلی عنوان کے ساتھ مصنف رقمطراز ہے:۔

تحریکِ ختمِ نبوت:

"پاکستان میں قادیانیوں کے خلاف بھرپور تحریک چل رہی تھی۔ملک کی بیشتر سیاسی و دینی جماعتوں اور اپوزیشن کا یہی مطالبہ تھا۔کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔اس مطالبہ میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ بھی شامل تھے۔لاہور میں عام مولویوں میں اتنا دم خم نہ تھا کہ وہ کوئی تحریک چلا سکتے۔جن علماء نے قومی اتحاد کی تحریک میں زیڈ

اے بھٹو کی حکومت کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے ہی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران بر ملا یہ کہا تھا۔ "اگر زیڈ اے بھٹو مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دیں۔ اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیں۔تو ہم ساری عمر غلام بن کر ان کے گھر پر پہرہ دیں گے" اس دوران جب قادیانیوں کی تحریک کمزور پڑنے لگی۔تو ملک معراج خالد نے مجھے سرکٹ ہاؤس لاہور بلا کر کہا۔اوپر سے آرڈر آئے ہیں۔کہ سینکڑوں کی تعداد میں قادیانیوں کے خلاف پمفلٹ تقسیم کئے جائیں۔اور مسجد وزیر خاں سے جو جلوس نکل کر دہلی گیٹ آتا ہے۔اس میں ہنگامہ مزید بڑھایا جائے"چنانچہ ہم اور پیپلز پارٹی نے اندر خانے مولویوں کا ساتھ دیا اور بڑھ چڑھ کر انتظامیہ کے خلاف خشت باری اور احتجاج کیا۔ایک روز میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پیپلز پارٹی سیکرٹریٹ واقع ایجرٹن روڈ شملہ پہاڑی لاہور بیٹھا ہوا تھا۔کہ پی پی پنجاب کے روح رواں ناصر رضوی آئے اور کہا۔"چیئر مین بھٹو کو ذاتی گارڈز کی ضرورت ہے ۔آپ لوگ تیار رہیں"۔ ہم فوری اپنی اپنی موٹر سائیکلوں کے جلوس میں جو ان کی کار کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے تھیں۔ریڈیو پاکستان پہنچے اورقوم سے خطاب کیا۔جب بھٹو تقریر ریکارڈ کرانے ریڈیو پاکستان پہنچے تو اس وقت ان کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور رنگ پیلا پڑا ہوا تھا۔ جب قوم سے خطاب کے دوران انہوں نے اپنی تقریر میں احمدیوں اور لاہوری قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا اور کافر و مرتد قرار دے کر دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا تو تقریر کے اختتام کے بعد جب ریڈیو پاکستان کی عمارت سے باہر آئے تو ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔اور چہرے پر روحانی نُور تھا۔واقعی وہ ایک بہت بڑا تاریخی معرکہ سر انجام دے کر آئے تھے۔اس واقعہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔کہ زیڈ اے بھٹو اسلام کے سپاہی اور عاشقِ رسول تھے"۔

(بحوالہ "میری آواز"مصنف و ناشر طارق وحید بٹ۔ پتہ:۲۔کرم پارک بٹ روڈ مصری شاہ لاہور تاریخ اشاعت:جولائی ۱۹۹۰ء ایڈیشن ثانی صفحہ ۱۰۸)

اسی طرح پنجاب کے ایک سابق وزیرِ اعلیٰ حنیف رامے(جن کے دورِ وزارت میں احمدیوں کے خلاف ۱۹۷۴ء کی ہنگامہ آرائی ہوئی تھی) پیپلز پارٹی سے علیحدگی و ناراضگی کے دنوں میں لاہور کے ہفت روزہ"دید شنید" کے ایڈیٹر رفیق ڈوگر کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے(اپنا پہلو بچانے کی خاطر اگرچہ گول مول انداز میں) کہتے ہیں۔"..میں پنجاب میں یہ مسئلہ حل کر رہا تھا۔بھٹو صاحب نے ٹی وی پر ایک تقریر میں ذکر کر کے پنجاب سے مسئلہ مرکز پہنچادیا۔مسئلے کو اگر غلط حل کیا یا درست حل کیا۔فائینل حل تو بھٹو صاحب نے کیا۔ میرے لئے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ تھا...اور جب یہ مسئلہ تقریباً حل ہو چکا تھا۔تو بھٹو صاحب اسے مرکز میں لے گئے۔کیونکہ ان کو لوگ کہتے تھے۔کہ اگر آپ یہ کام کر جائیں تو یہ مولوی آپ کے جوتے صاف کریں گے اور دس سال تک آپ ملک کے حکمران رہیں گے۔اس لئے وہ سمجھے۔کہ ان کو بہت فائدہ پہنچے گا...

(بحوالہ کتاب"سیاسی ملاقاتیں"
مرتبہ رفیق ڈوگر شائع شدہ:سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۱۷)

سر بستہ راز.....؟!

مندرجہ بالا انٹرویو میں مسٹر ح۔ رامے نے"صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے نہیں!" کے مصداق اگرچہ ساری ذمہ داری بھٹو صاحب پر ڈال دی ہے۔جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ احمدیوں والی آئینی ترمیم سے بہت پہلے ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر ملتان کے نشتر میڈیکل کالج کے طلباء کے ذریعے ہنگامہ آرائی کی منظم پلاننگ حکومتی سطح پر تیار کی گئی تھی جس میں مسٹر ح۔ رامے بطور وزیرِ اعلیٰ پنجاب پوری طرح شریکِ کار تھے۔اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے۔کہ جب جنرل ضیاء الحق نے احمدیوں کے خلاف ۱۹۸۴ء میں آرڈیننس جاری کرنے کے بعد احمدیہ مساجد سے کلمہ طیبہ مٹانے کے احکامات دیئے تو مسٹر رامے کا سویا ہوا ضمیر(پیپلز پارٹی سے ناراضگی کے ناطے) اچانک انگڑائی لے کر جاگ اُٹھا اور روزنامہ جنگ لاہور میں ایک آرٹیکل بعنوان "یہ کلمہ دوستی ہے یا کلمہ دشمنی" لکھ کر شائع کروادیا۔ جس پر مولویوں نے (جو پیٹ کے ہلکے ہوتے ہیں) رامے کے خلاف خوب شور مچایا۔ بالخصوص انہوں نے جو ۱۹۷۴ء میں (محنتانوں کے عوض) حکومت کے آلۂ کار بن کر احمدیوں کے خلاف فسادات کرنے پر مامور تھے۔کراچی کے ایک مولوی محمد یوسف لدھیانوی نے رامے کے آرٹیکل کے جواب میں جنگ لاہور میں ہی ایک جواب آرٹیکل شائع کروایا جس کا عنوان احسان دانش کا یہ مصرعہ تھا۔

"سنا ہے باغباں نے چمن بیچ دیا!"

مولانا یوسف لدھیانوی نے "باغباں" یعنی مسٹر رامے کے آرٹیکل پر غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا۔کہ رامے صاحب وہ ایام کیوں بھول گئے ہیں۔ جب وہ ۱۹۷۴ء میں بطور وزیرِ اعلیٰ علماء کو(احمدیوں کے خلاف) ہنگامہ آرائی بڑھانے پر نقدی اور پلاٹوں کی صورت میں محنتانے دیا کرتے تھے....."

یہ راز تاریخ کے سینے پر ثبت ہو چکے ہیں۔جنہیں چھپانا کسی کے بس کی بات نہیں۔گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے والی مثال کے تحت، طارق وحید بٹ،مسٹر ح۔رامے یا مولوی یوسف لدھیانوی جیسے لوگ تو رہے ایک طرف،مسٹر بھٹو خود بھی یہ سر بستہ راز اگل چکے ہیں۔چنانچہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ترمیم پاس ہونے کے بعد جب مولویوں نے احمدیوں کو "ناٹ مسلم" قرار دینے کا سہرہ اپنے سر باندھنا چاہا۔تو مسٹر بھٹو بھی خاموش نہ رہ سکے۔ غالباً کراچی کی ایک مجلس میں جب کسی نے بھٹو صاحب کے سامنے کہا کہ مولوی اس ترمیم کو علماء کی کوشش سے تعبیر کر رہے ہیں۔تو بھٹو صاحب نے غصّے میں آ کر کہا۔"اچھا تو پھر وہ لڑکے(جنہوں نے ربوہ سٹیشن پر ہنگامہ کیا تھا) مفتی محمود کے باپ نے بھیجے تھے؟"

دور کی کوڑی:

مسٹر ہارون الرشید مزعومہ سیاسی فتویٰ کا جواز ثابت کرنے کے لئے ایک دور کی کوڑی یہ لائے ہیں۔کہ "اگر اسمبلی کا فیصلہ غلط تھا۔تو کیا بھٹو صاحب کی طرف سے حج کی عام اجازت، جمعہ کی تعطیل، ریس اور شراب کی بندش ایسے اقدامات بھی احمقانہ تھے؟" ان حضرت کو کیونکر بتایا جائے کہ کون ظالم کہتا ہے یہ اقدامات اپنی ذات میں احمقانہ تھے ریس اور شراب وغیرہ پر پابندی تو بھٹو صاحب نے اُس وقت لگائی تھی۔جب مولویوں نے "نظامِ مصطفےٰ" کے نعرے کی آڑ میں بھٹو حکومت کو گرانے کے لئے پورے ملک میں پُرتشدد تحریک چلا دی تھی۔

اُس وقت جنرل ضیاء الحق بھی مولویوں کو پسِ پردہ اُکسا رہا تھا۔کہ "بھٹو کارنر ہو چکا ہے۔اس سے مزید مطالبے کرو..!" چنانچہ یہ دلچسپ حقائق بھی تاریخ کے ریکارڈ پر محفوظ ہیں۔کہ وہی مسٹر بھٹو جو کل تک ابوالاعلیٰ مودودی کی ہوا پر بھی تلواریں چلا رہے تھے۔عین دورانِ تحریک منصورہ جا کر مودودی کے چرنوں میں حاضری دی اور مدد کی التجا کی۔اقتدار سنبھالنے کے تقریباً پانچ سال بعد بھٹو صاحب کو ام الخبائث اور گھوڑ دوڑ پر پابندی لگانے کا خیال کیونکر آیا؟ جبکہ صرف چند ماہ قبل ایک انتخابی مہم کے دوران گوجرانوالہ شہر میں بھٹو صاحب نے مولویوں کی طرف سے ان پر شراب نوشی کرنے کے الزامات کے جواب میں جو اعلانیہ اعتراف کیا تھا۔وہ بھی مدتوں اخباری کالموں میں موضوعِ سخن بنا رہا۔بھٹو صاحب نے کہا تھا۔"تھکاوٹ دور کرنے کے لئے تھوڑی سی شراب پی لیتا ہوں تو کیا ہوا؟...غریبوں کا خون تو نہیں پیتا!!!"

اسلام خطرے میں ، اسلام بطور دکھاوا اور بطور سیاسی حربہ:

ایک دلچسپ نقطہ یہ ہے۔کہ کیا مولویوں نے بھٹو صاحب کے ان اقدامات کو سراہا تھا؟ ہرگز نہیں کیونکہ وہ جانتے تھے۔کہ ان کے "نظامِ مصطفےٰ" کے نعرے کی طرح بھٹو صاحب بھی ان اقدامات (کے دکھاوے) کے ذریعے اپنے اقتدار کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔درحقیقت دونوں فریق ہی اسلام کے لئے نہیں بلکہ "اسلام آباد" کی خاطر، اسلام کو بطور سیاسی حربہ استعمال کرنے کی تگ و دو میں تھے۔راقم یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔بلکہ فرزندِ اقبال، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے اس کا برملا اظہار اپنی کتاب "یادیں" میں کیا ہے۔جناب ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں۔"...ساری اپوزیشن نے بھٹو کو ہٹانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اسلام کو خطرے میں ڈال دیا۔حالانکہ آج تک اسلام خطرے میں نہیں ہوا...آپ کو یاد ہوگا کہ بھٹو نے گھوڑ دوڑ اور شراب بند کر دی۔احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔سو انہوں نے اپنی طرف سے یوں اسلام نافذ کیا۔وہ اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر سب کچھ کرتے چلے گئے......آپ دیکھ لیں کہ اسلام کو کیونکر حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔"
("یادیں" صفحہ ۱۴۶)

جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی اِس قابلِ ستائش حق گوئی کے بعد مزید کسی وضاحت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔البتہ اس کی روشنی میں مسٹر ہارون الرشید ایسے دانشوروں سے فقط اتنا کہنا ہے

"تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں!"

بلاتبصرہ

"یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے"

بے مثال عروج کا حیرت انگیز زوال

روزنامہ جنگ لاہور اور ہفت روزہ پاکستان اسٹار ٹورانٹو کے کالم نگار جناب حمید احمد سیٹھی رقمطراز ہیں......

"زیڈ اے بھٹو ایک کرشماتی اور عہد ساز شخصیت تھے جن کے مخالف بھی ان کی قابلیت اور جادو بیانی کے معترف تھے۔وہ بھٹو کی قوتِ استدلال سے خائف رہتے تھے۔ان کے ناقد اور اختلاف رکھنے والے بھی ان کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے سے ڈرتے اور اکثر کتراتے تھے کیونکہ انہیں اٹھتے وقت ان کی تائید میں سر ہلانے ہی پڑتے تھے۔اس مقناطیسی اور صائب الرائے شخص کا عروج بھی بے مثال تھا اور زوال بھی عبرت انگیز۔ان کی فیملی کی دوسری اہم شخصیت جو ایک سابق وزیر اعظم کی بیوی بھی ہے اور ایک سابق وزیر اعظم کی ماں بھی اس وقت ایک ملزمہ ہی نہیں مدت سے قابلِ رحم حالت میں ہے۔بھٹو صاحب کا ایک بیٹا دیارِ غیر میں پراسرار حالات میں اپنے فلیٹ میں مردہ پایا گیا تھا جبکہ دوسرا بیٹا اپنی ہی بہن کے عہد وزارت عظمیٰ میں پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کا لہو بھی کسی کے ہاتھ پر تلاش نہیں ہو سکا۔بھٹو کی ایک بیٹی دو بار وزیر اعظم منتخب ہونے کے باوجود اس وقت سزا یافتہ اور مفرور یا جلاوطن ہے جبکہ اس کا سابق وزیر خاوند متعدد مقدمات میں ملوث دو بار ملا کر سات سال سے جیل میں ہے۔اس خوفناک اور دردانگیز انسانی تماشے (المیئے۔ناقل) اور آج کل کے حالات کو دیکھنے والوں اور اہل نظر کے لئے یہ مقام عبرت ہے اور اس ملک کے باسیوں کے لئے وجہِ فکر بھی کہ آخر وہ کونسا اجتماعی گناہ ہے جس کی ہمیں معافی نہیں مل رہی"۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۲۲/جنوری ۲۰۰۱ء صفحہ ۲ و ۱۳)

اجتماع انصاراللہ 2000ء کی تصویری جھلکیاں

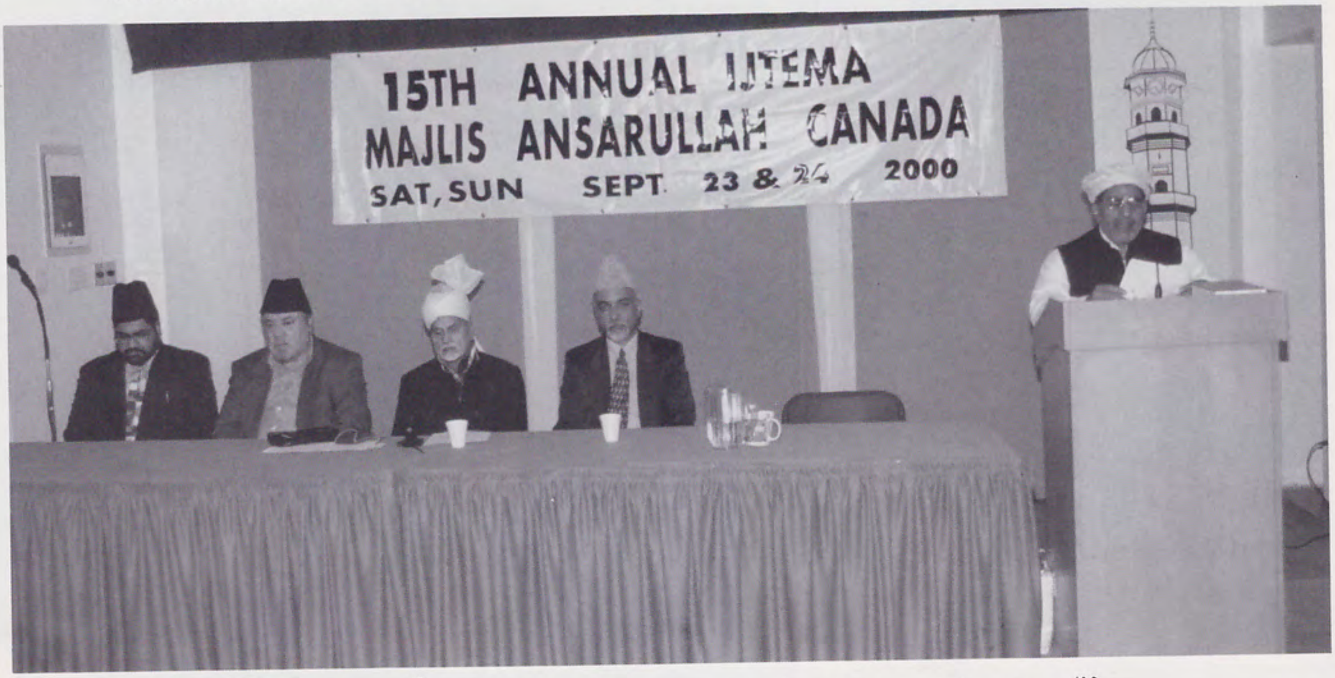

مخلص خادم سلسلہ چوہدری عبدالعزیز صاحب بھامبڑی مرحوم (دائیں سے دوسرے)

انصاراللہ عہد دہراتے ہوئے

مجلس عاملہ کے کچھ اراکین

انصاراللہ کھانے کی مارکی میں

سامعین اجتماع

چوہدری عبدالباری (کیلگری) صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب سے انعام وصول کرتے ہوئے

زور آزمائی بذریعہ رسہ کشی

مجالس ہائے انصاراللہ ٹورانٹو کے سپورٹس ڈے کے موقعہ پر صدر مجلس کا افتتاحی خطاب

تحریر: ہومیو ڈاکٹر ایم مظہر (ٹورانٹو)

اپنی یادداشت اور ذہنی استعدادِ کار بڑھائیے

خدا تعالیٰ نے عالمگیر جماعت احمدیہ پر جو عظیم ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ وہ اس امر کی متقاضی ہیں۔ کہ افرادِ جماعت احمدیہ جسمانی و ذہنی لحاظ سے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہوں۔ بالخصوص واقفینِ نو کی ذہنی نشوونما کے لئے ماہرینِ فن کی خدمت میں گذارش ہے۔ کہ وہ اس اہم ضرورت کے پیشِ نظر بکثرت ایسے مضامین ہدیۂ قارئین کریں۔ ادارہ مکرم ایم۔ مظہر صاحب کا ممنون ہے۔ جنہوں نے زیرِ نظر مضمون بغرض اشاعت ارسال کیا ہے مکرم مظہر صاحب اونٹاریو ہربل پریکٹس ایسوسی ایشن کے پروفیشنل ممبر ہیں۔ جن سے مزید معلومات کیلئے اس فون پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ 416-740-6592 (ادارہ)

سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بالخصوص طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو بڑھانے کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں سویا بین کا مختلف طریقوں سے بکثرت استعمال ہوتا رہا۔ اب پھر ہم اس مضمون کے ذریعے تمام ذہنی و دماغی کام کرنے والوں کے لئے چند مفید معلومات فراہم کر رہے ہیں۔

سویا بین کے استعمال کے مختلف طریق

۱. کیپسول (سفوف) سویا بین: سویا بین گرائینڈر میں ذرا موٹا پیس کر اور بڑے سائز کے کیپسولوں میں بھر کر دو کیپسول صبح۔ دوپہر شام دودھ یا پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

۲. سویا بین بھگو کر کھائیں: رات بھر پانی میں بھگو کر رکھیں (اگر چاہیں تو نمک بھی ملا لیں) جب اچھی طرح پھول جائے۔ تو کپڑے سے خشک کر کے کچے دانے کھا لیں یا اوون میں پکا لیں۔ بھنے ہوئے چنوں کی طرح کھا سکتے ہیں یا کچے دانوں کو تیل میں تل کر کھائیں۔ پہلا طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ اس میں چکنائی نہ ہو گی۔ نمک ملی بھنی ہوئی سویا بین بلک فوڈ سٹورز سے بھی مل سکتی ہے۔

۳. مربہ سویا بین: سویا بین کو پانی کی مناسب مقدار میں رات بھگو کر رکھیں۔ صبح ہلکی آگ پر پکائیں۔ کہ پانی جذب ہو جائے۔ اسے اب ہوا میں ٹھنڈا ہونے دیں۔ چینی کا شیرہ الگ تیار کر کے (سویا بین کو مناسب برتن میں ڈال کر) اس کے اوپر تک ڈال دیں۔ کہ سویا بین ڈوب جائے۔ دوسرے روز شیرہ پتلا ہو جائے۔ تو دانوں کو الگ کر کے شیرہ گاڑھا کر لیں۔ یہ عمل بعض اوقات دو۔ تین مرتبہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح خوش ذائقہ مربہ تیار ہو جائے گا۔

چند ورزشیں

حافظہ اور ذہنی استعدادِ کار بڑھانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم اپنی آنکھوں کی بینائی و گردن کے پٹھوں و اعصاب کی قوت و صحت پر خصوصی توجہ دیں۔ پس اس مقصد کے حصول کے لئے ہم چند ورزشیں تحریر کر رہے ہیں۔

آنکھوں کی ورزشیں

بیمار آنکھوں کے پٹھے اور ریشے سخت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان ورزشوں سے آنکھیں آزادانہ طور پر ادھر اُدھر گھوم سکتی ہیں۔ یہ ورزشیں تحفظ بھی ہیں اور علاج بھی۔ اگر تندرست لوگ انہیں باقاعدگی سے کریں گے تو عینک سے بچے رہیں گے۔ اور عینک لگانے والے لوگوں کی عینک اتر سکتی ہے۔ یا نمبر کم ہو سکتے ہیں۔

ورزش نمبر ۱

کرسی پر بیٹھ کر سر کو ہلائے بغیر آرام دہ حالت میں رکھیں۔ اور جتنا اوپر دیکھ سکتے ہیں دیکھیں۔ لیکن سر پیچھے نہ جھکنے پائے۔ پھر جتنا نیچے دیکھ سکتے ہیں دیکھیں لیکن سر آگے نہ جھکنے پائے۔ آنکھوں کو اتنا اٹھانا یا نیچے نہیں لے جانا چاہئے۔ کہ ان پر ذرا بھر زور پڑے۔ انہیں چھ بار اوپر اور چھ بار نیچے لے جانا چاہئے۔ اس کے بعد دو تین سیکنڈ آرام دیں۔ اور یہی ورزش دو بار بیچ میں وقفہ دے کر کریں۔ (اگر کرسی میسر نہ ہو اور وقت بھی کم ہو تو بلحاظ وقت کم مقدار میں بھی کر سکتے ہیں۔)

ورزش نمبر ۲

اپنے سر کو پہلے جیسی حالت میں رکھیں۔ آنکھوں کو پہلے دائیں جانب اور بعد میں بائیں جانب لے جائیں۔ آنکھوں کے ساتھ سر نہ گھومنے پائے۔ اسی طرح چھ بار دائیں اور چھ بار بائیں جانب جتنی دور تک دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ورزش درمیان میں دو

سیکنڈ کا وقفہ دے کر تین بار کرنی چاہئے۔آنکھوں پر زور نہ پڑنے دیں۔

ورزش نمبر۳

آنکھوں کو آہستہ چکر دار گولائی میں دائیں سے بائیں چار بار گھومائیں۔یہ عمل درمیان میں دو سیکنڈ تک آرام کرنے کے بعد تین بار کرنا چاہئے۔

ورزش نمبر۴

یہ ورزش ،ورزش نمبر۳ کے برعکس ہے۔یعنی بائیں سے دائیں جانب۔

ورزش نمبر ۵

۲۵ بار آنکھوں کو کھولئے اور بند کیجئے ۔ہر دو گھنٹہ کے بعد یا کم وبیش وقفہ سے اس عمل کو دہرائیں۔

ورزش نمبر۶

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے والی (تشہد کی) انگلی کو آنکھوں کے سامنے آٹھ انچ کے فاصلہ پر رکھیں۔دس فٹ کے فاصلہ پرکوئی چیز جیسے دروازہ کھڑکی وغیرہ دیکھ لیں۔پہلے انگلی کی طرف دیکھیں پھر اس چیز کی طرف۔اس طرح بیس بار انگلی سے اس چیز تک اپنی نظر دوڑائیں۔درمیان میں دو دو سیکنڈ آرام کرکے اس ورزش کو تین بارکرنا چاہئے۔آنکھوں کے لئے یہ سب سے زیادہ مفید ورزش ہے۔جس وقت جس جگہ موقع ملے۔اسے کرتے رہنا چاہئے۔

مذکورہ بالاورزشوں میں سے جو ورزش بھی آپ حسبِ حالات وحسبِ موقع (جس قدروقت ملے) کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔یاد رہے کہ یہ ورزشیں ہمیشہ عینک اتار کر کرنی چاہئیں۔اور ویسے بھی عینک کا استعمال حتی الوسع کم کرنا چاہئے۔

گردن کی ورزشیں

ذیل کی ورزشیں گردن کے سکڑے ہوئے اور سخت پٹھوں کو ڈھیلا کرنے کے لئے مفید ہیں۔

ورزش نمبر۱

سر کو اتنا آگے جھکائیے۔جتنا آپ جھکا سکتے ہیں۔کندھوں کو ڈھیلا رکھئے۔ٹھوڑی کو سینے تک لے جائیے۔پھر اُسے اٹھائیے اور اتنا پیچھے لے جائیے جتنا ممکن ہو۔اس طرح سر کو چھ بار اٹھائیے اور چھ بار پیچھے لے جائیے۔

ورزش نمبر۲

سر کو آگے کی طرف سینے پر پہلے کی طرح جھکائیے۔اور اسے دائیں جانب سے بائیں جانب ایک چکر کی شکل میں گھومائیے۔یہی کام ۱۲ مرتبہ کیجئے۔

ورزش نمبر۳

سر کو آگے کی جانب سینے تک پہلے کی طرح جھکائیے ۔اور اسے بائیں طرف سے دائیں طرف چکر کی مانند گھمائیے۔یہ کام ۱۲ مرتبہ کیجئے۔

ورزش نمبر۴

سر کو بائیں کندھے پر اتنا جھکائیے۔جتنا ممکن ہو۔جسم کے باقی اعضاء کو بالکل نہیں ہلانا چاہئے۔اس کے بعد سر کو پہلے جیسی حالت میں لے جائیے۔پھر اسے دائیں طرف اسی طرح جھکائیے۔جیسے پہلے بائیں طرف جھکایا تھا۔اس طرح دس بار بائیں جانب اور دس بار دائیں جانب جھکائیے۔اگر یہ سب ورزشیں لگاتار روزانہ کی جائیں۔تو گردن اور ریڑھ کی ہڈی کو آرام پہنچے گا۔اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں اور سر میں صاف خون کا دوران ہوگا۔

مذکورہ بالا ورزشوں میں سے جو جو ورزش آپ حسبِ حالات وحسبِ موقع جتنی مرتبہ کرسکیں ضرور کریں۔نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کرنا ہی بہتر ہے۔اور اسی نسبت سے آپ کو فائدہ ہوگا۔انشاء اللہ۔

میں نے خود تجربہ کرکے دیکھا ہے۔یہ ورزشیں بلا شبہ بہت مفید ہیں۔کئی دوسرے لوگوں کو بتائی ہیں۔اگر کوئی بھول جاتا ہے۔تو یاد دلانے کے لئے جس کمرہ میں آپ زیادہ وقت گذارتے ہیں۔وہاں دیوار پر ٹیپ کی مدد سے ایک چٹ لگا لیں۔جس پر R.E. لکھیں۔R سے مراد Remembrance of Allah یا ذکرِ الٰہی ہے۔اور E سے مراد Eye Exercise ہے۔جب نظر پڑے۔اپنے قلب کی آنکھیں روشن کرنے کے لئے ذکرِ الٰہی شروع کردیں۔اور ساتھ ان ظاہری آنکھوں کی بینائی تیز کرنے کے لئے آنکھوں کی ورزش بھی شروع کرلیں۔

ورزشوں کی جو مقدار مذکور ہے۔وہ نہ بھی پوری کرسکیں۔تو کوئی بات نہیں ۔جو جو ورزشیں درج کی گئی ہیں۔ان میں سے جس کے کرنے کا موقع ملے وہ ہی کر لیں۔یہی نشان جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔قلم کی مدد سے اپنے ہاتھ پر بھی بغرض یادداشت بنا سکتے ہیں۔اور سارے دن میں جب بھی موقع ملے اپنی بصیرت اور بصارت دونوں کو بڑھائیں اگر نشان بنانے کے باوجود آپ کو یاد نہیں رہتا۔تو نشان بنانے کی نیت کا اجر تو بہرحال آپ کو ملتا رہے گا۔

غذا

کسی بلک فوڈ سٹور سے گندم کا چھان (Wheat Bran) لے لیں۔اور آٹے میں ملا کر اس کی روٹی بنا کر کھانے کو معمول بنائیں۔ اور Oats (جو۔ جئی کی قسم) کے دلیہ میں بھی یہی چھان Bran ملا کر دلیہ تیار کریں اور صبح اس کا ناشتہ کریں۔ چھان میں قبض کشاء وٹامنز ہوتے ہیں۔اور چونکہ دماغی کام کرنے والوں کو زیادہ بیٹھنے کی وجہ سے اکثر قبض کی شکایت ہو جاتی ہے۔یہ وٹامنز جسم کو جہاں طاقت بخشتے ہیں۔وہاں قبض دور کرنے کا قدرتی، مفید و بے ضرر علاج بھی ہیں۔ چھان کا ریشہ دار مواد Fibre انتڑیوں کی خوب صفائی کرتا ہے۔ مجموعی طور پر ۵۰ گرام چھان یومیہ تقسیم کر کے مختلف شکلوں میں استعمال کرنا چاہیئے۔

شہد دودھ یا پانی میں ملا کر پئیں۔بشرطیکہ شہد خالص ہو۔ سلاد، سبزیاں، پھل، خشک پھل، میوے، بادام، چلغوزے، اخروٹ، ناریل، کھجور، چنے، دالیں بمع چھلکا، بکرے کی سری اور اس کا بھیجا (مغز)، انڈوں کی زردی۔ پیاز لہسن بھی مفید غذائیں ہیں۔

پرہیز و ہدایات

مسلسل زیادہ دیر تک بیٹھے رہنے سے اجتناب کریں۔ کھلی تازہ ہوا میں سیر یا ورزش کو معمول بنائیں۔میدہ کی مصنوعات جو انتڑیوں میں چپک کر قبض کا باعث بنتی ہیں۔ سے پرہیز کریں۔ نیز چائے، کافی اور کوک اگرچہ وقتی طور پر چستی تو پیدا کرتی ہیں۔مگر ان کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ ان کا استعمال کم سے کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دماغی کام کرنے والے تھوڑا کھائیں۔اور تھوڑے وقفوں سے کھائیں۔ اتنا کہ غذا آپ کا بوجھ اٹھائے۔ نہ اتنا کہ آپ کو غذا کا بوجھ اٹھانا پڑے۔ کام کرتے کرتے جب دماغ تھک جائے۔ تو اسے مکمل آرام دیں۔ خواہ تھوڑے وقت کے لئے ہی ہو۔ مذکورہ بالا ورزشیں بھی اس مقصد کے لئے مفید ہیں۔ ذہنی پریشانیوں سے ذہن کو آزاد رکھیں۔ دماغ تھک جائے۔ تو سر اور گردن کی مالش بھی مفید رہتی ہے۔ مالش کے لئے زیتون کا یا کوئی اور تیل استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً روغن بادام یا روغن کدو وغیرہ

یادداشت بڑھانے کا ایک اور طریق

اس طریق سے سبق جلد ذہن نشین ہو جاتا ہے۔اور یادداشت ترقی کرتی ہے۔

(ا) جب ٹیچر پڑھائے۔ تو پوری توجہ اور انہماک سے سنا جائے۔

(ب) نوٹس لئے جائیں۔

(ج) اپنے سے کسی Junior Student کو پڑھایا جائے۔

(د) اگر ایسا نہ ہو سکے۔ تو خود کو اونچا بول کر سنایا جائے۔ یا اپنے الفاظ میں لکھا جائے۔ اگر متذکرہ بالا طریقوں میں سے فرداً فرداً سب کو معمول بنایا جائے۔ تو یادداشت ترقی کرتی ہے۔

جستہ جستہ

ایک خطرناک آزمائش

"ایک ورزش کرنے والے پر سب سے بڑا ابتلاء اس وقت آتا ہے جب وہ یہ سوچتا ہے کہ چلو آج ایک دن کا ناغہ کر لیں، کوئی بات نہیں یہ خیال ایک ورزش کرنے والے کا سب سے بڑا دشمن ہے اگر آپ اس وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے وسوسے پر قوت کے ساتھ غالب آ جائیں تو یقین جانیں کہ آپ صحت اور توانائی کے راستے پر بے روک ٹوک گامزن ہو چکے ہیں۔"

(ورزش کے زینے صفحہ 35)

ڈبوں میں بند دودھ سے بچوں کے دماغ کی صحیح نشوونما نہیں ہوتی

[سکاٹ لینڈ] گلاسگو یونیورسٹی رائل ہسپتال فار چلڈرن کے ایک پروفیسر Forrester Cockburn نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ماؤں کو اپنی چھاتیوں کے دودھ سے بچوں کی پرورش کرنا چاہئے۔ کیونکہ ڈبوں میں بند دودھ میں مناسب مقدار میں Fatty Acids موجود نہیں ہوتے جس کی وجہ سے دماغ کی نشوونما صحیح طریق پر نہیں ہو سکتی۔

انہوں نے کہا کہ ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل نہیں اور اسے مشینوں کے ذریعہ تیار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مشینوں سے تیار شدہ دودھ میں Enzymes اور Cells اس صورت میں جمع نہیں کئے جا سکتے جس صورت میں وہ انسانی دودھ میں موجود ہوتے ہیں۔

پروفیسر Cock Burn نے کہا کہ زندگی کے پہلے سال میں بچے کا دماغ ۳۵۰ گرام سے بڑھ کر ۱۱۰۰ گرام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کا زیادہ تر حصہ پہلے چھ ماہ میں بڑھتا ہے۔ اس وقت Fatty Acids کی کمی آئندہ کے لئے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

عمل کے بغیر قولی طاقت اور لسانی قوت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

ارشاد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

ربوہ......دارلہجرت

..........ربوہ شہر کے ایک باسی کے منظوم جذبات

"کسی ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو ہماری مسکراہٹیں چھین سکے.........!" نصرتِ باری تعالیٰ پر یقین کامل اور عزم واستقلال کی نکہتوں سے مہکتا ہوا یہ تاریخی جملہ سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان دنوں ارشاد فرمایا تھا، جب ایک احسان فراموش سیاسی بزرجمہر نے ہیرو بننے کے جنون اور کرسی اقتدار کی مضبوطی کے زعم میں یہ متکبرانہ فرعونی بڑھک لگائی کہ میں مرزا ناصر احمد کے ہاتھ میں کشکول پکڑا دوں گا!۔اس کے بعد ایک اور مردِ منافق نے خود کو(نعوذ باللہ) قادرِ مطلق گردانتے ہوئے اور سلسلۂ احمدیت کو کینسر سے موسوم کرتے ہوئے براہِ راست خلافت احمدیہ پر حملہ آور ہونے کی مذموم جسارت کی۔تاکہ احمدیوں بالخصوص اہلِ ربوہ کے چہروں کی مسکراہٹیں چھینی جاسکیں۔لیکن مکافاتِ عمل اور خدائی تقدیر کے ہاتھوں، وقت کے ان فرعونوں اور ہامانوں کی نخوتوں کا جو خوفناک انجام ہوا، راولپنڈی جیل کا پھانسی گھاٹ اور اسی شہر کا جبڑا چوک اس انجام کے تاریخی گواہ ٹھہر کر دیدۂ عبرت نگاہ بن گئے ! لیکن افسوس کہ حق وصداقت کے ازلی دشمنوں نے پھر بھی عبرت نہیں پکڑی۔چنانچہ مردِ منافق کی باقیات نے حاسدین ومعاندین احمدیت کی حسد کی آگ کو ھل من مذید کے مصداق بڑھاوا دینے کی خاطر ان کے مطالبہ پر ربوہ شہر کا نام تبدیل کرڈالا کہ شاید اسی طور احمدیت کے پیغام کی خوشبو دہر میں پھیلنے سے رک جائے۔۔۔ لیکن مشرکینِ مکہ جیسی قبیح حرکات کرنے والے ابولہبوں کو کوئی کیونکر بتائے کہ گلاب کا جو چاہے نام رکھ لو، گلاب نے ہرصورت گلاب ہی رہنا ہے اور اسکی خوشبو نادان بھنوروں کی بھنبھناہٹ کو خاطر میں لائے بغیر فضاؤں کو ہر آن اور چہار سو معطر کرتی چلی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔یوں بھی اپنے پیدا کرنے والے رب العالمین کی رضا پر راضی رہنے والے اہلِ ربوہ کے اطمینانِ قلب اور چہروں کی مسکراہٹیں کوئی کیسے چھین سکتا ہے۔کہ اس بستی کی بنیادیں تو خالص ابراہیمی دعاؤں پر اٹھائی گئی تھیں اور اس شہر کے بانی حضرت مصلح موعود نے ربِ کعبہ کے حضور یہ منظوم دعا بھی مانگی تھی۔

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو
ربوہ کو پہنچتی رہیں کعبہ کی دعائیں

(کلام محمودؓ)

مذکورہ بالا حالات وواقعات کے پس منظر میں نظم بند کیے جانے والے ربوہ شہر کے ایک باسی کے منظوم جذبات پر مبنی ایک طویل نظم کے کچھ منتخب بند، قارئین کے ذوقِ سخن کے لئے پیشِ خدمت ہیں۔

ربوہ میرا شہر

ربوہ جو میرا شہر ہے
اک برکتوں کی نہر ہے
یہ صادقوں کا شہر ہے
یہ روشنی کی لہر ہے

سرچشمۂ برکت ہے یہ
کاشانۂ جنت ہے یہ
اور مظہرِ قدرت ہے یہ
اور مہبطِ رحمت ہے یہ

گہوارۂ علم وعمل
یہ شہر میرا بے بدل
امن وسکوں کا اک محل
غافل نہیں یہ ایک پل

تعلیم اس جا عام ہے
پڑھنا پڑھانا کام ہے
اک معرفت کا جام ہے
مشہور خاص وعام ہے

اسکول کالج ہیں یہاں
ہیں علم کے دریا رواں
سب علم کے طالب یہاں
ہے آگہی کا اک جہاں

یہ وادیٔ کہسار ہے
گلزار سبزہ زار ہے
یہ اک حسیں دلدار ہے
لیکن صبار فتار ہے

ربوہ جو میرا شہر ہے
یہ روشنی کی لہر ہے

سرسبز اور شاداب ہے　　بے مثل آب و تاب ہے
یہ ہم کنارِ آب ہے　　ہمسایۂ چناب ہے

سو سال سے زائد ہوئے　　اور سب مخالف مر گئے
اپنی سی وہ بھی کر گئے　　لیکن نہ کچھ بھی کر سکے

بڑھتا رہا یہ سلسلہ　　یہ ہے خدا کا فیصلہ
نہ رک سکے گا قافلہ　　یہ اس کی قدرت کاملہ

پھیلتا رہے گا یہ سدا　　ہو چاہے کوئی بھی خفا
جو آج تک نہ رک سکا　　اب کون روکے گا بھلا

یہ سب خدا کا کام ہے　　تو ہر قدم ناکام ہے
تو ہر جگہ بدنام ہے　　تیرا برا انجام ہے

تجھ پر خدا کا قہر ہے　　کہ دل میں تیرے زہر ہے
یہ صادقوں کا شہر ہے　　یہ روشنی کی لہر ہے

ربوہ جو میرا شہر ہے
اک برکتوں کی نہر ہے

از: سید سجاد احمد دارالرحمت وسطی ربوہ

مرسلہ سید منیر احمد شاہ (وان)

چناب نگر

(پروفیسر محمد سلطان اکبر)

مجھے چند روز قبل چنیوٹ سے ربوہ بذریعہ بس سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ میرے ساتھ کالج کے چند غیر از جماعت طلبہ بھی بس میں سوار تھے۔ میں نے انہیں ازراہِ تفنّنِ طبع کہا کہ تم لوگوں نے ہمارے شہر کا نام ربوہ کی بجائے چناب نگر رکھ دیا ہے اور سابقہ صوبائی اسمبلی پنجاب میں تمہارے شہر چنیوٹ کے ہی ایک مولوی صاحب نے یہ تحریک پیش کی تھی۔ تم لوگوں اور تمہارے ہمنوا مخالفین جماعت احمدیہ کو اپنے اس کارنامہ پر بڑا فخر ہے حالانکہ یہ نام کی تبدیلی تمہارے لئے موجب اعتراف شکست ہے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا: میں ابھی ثابت کرتا ہوں۔ چناب نگر دراصل (چن + آب) ہے۔ یعنی ایسا چاند جو آب و تاب سے چمک رہا ہو۔ اور نگر کے معنی بستی کے ہیں یعنی ربوہ وہ بستی ہے جہاں چاند اپنی پوری تابانی اور درخشانی سے نورانی کرنیں بکھیر رہا ہے اور تم لوگوں نے ربوہ کا یہ نام چناب نگر رکھ کر تسلیم کر لیا ہے کہ اگر کہیں نور ہے تو وہ ربوہ میں ہی ہے۔

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہی فرماتے ہیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

دوسری طرف تمہارا شہر چنیوٹ ہے۔ جسے عام زبان میں چنوٹ کہا جاتا ہے۔ جو دراصل (چن + اوٹ) سے مرکب ہے یعنی وہ چاند جو اوٹ میں ہو یعنی نظروں سے اوجھل ہو۔ گویا تمہارے شہر میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نور کا نام و نشان نہیں۔

اس پر ان طلبہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور کہنے لگے: تم احمدی لوگ بڑے ذہین لوگ ہو۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال لیتے ہو۔ چنانچہ انہی باتوں کے دوران ربوہ کالج کا سٹاپ دَرّہ آ گیا اور وہ طلباء بس سے اتر کر چلے گئے۔ اگلے سٹاپ یعنی اڈہ ربوہ پر میں بھی بس سے اتر گیا۔

راستہ میں اپنے گھر تک میں نے مزید اس مضمون پر غور کیا تو قرآنی آیت "وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ" (بری تدبیر ایسا کرنے والے پر الٹ کر پڑتی ہے) کا مضمون بھی حرف بحرف سچا ثابت ہوا کہ وہ لوگ جو اہل ربوہ کو یہ نام بدل کر غم کی تاریکی میں دھکیلنا چاہتے تھے تاریکی خود انہی کا مقدر ہے۔

ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے

منقولات

اخبارات ورسائل کے متفرق اقتباسات

ترتیب: محمد زبیر منگلا

یہ کافر کیسے ہو سکتا ہے

عبدالحق صاحب ہفتہ روزہ الاعتصام ۲۴ر جنوری ۱۹۹۷ء میں بعنوان "علمائے اسلام سے گزارش" میں لکھتے ہیں:

"قادیانی ٹیلی ویژن گھر گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت و تفسیر، درس احادیث، حمد و نعت اور تمام قوموں کے قادیانیوں خصوصاً عربوں کو بار بار پیش کر کے قادیانی ہماری نوجوان نسل کے ذہن پر بری طرح چھا رہے ہیں۔ اس طرح ہمارے بزرگان کرام کی پچھلی سو سال کی مساعی پر پانی پھرتا نظر آرہا ہے۔ لوگ ہم سے پوچھنے لگ گئے ہیں کہ سفید داڑھی اور پگڑی والا شخص جو تمام اسلامی عقائد کا اقرار کرتا ہے، حضرت محمد مصطفی کو باربار اپنا آقا کہتا ہے، ان کی سیرت کے حسین تذکرے کرتے ہوئے رو پڑتا، ہے کافر کیسے ہوسکتا ہے"۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۲۴ر جنوری ۹۷ء)

☆......☆......☆

حسرت

سیف اللہ سپراصاحب اخبار نوائے وقت میں مضمون بعنوان "بھارتی پراپیگنڈہ کا مؤثر جواب دیا جائے" میں لکھتے ہیں:

"ہمیں سیٹلائٹ سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اپنی اسلامی ثقافت دنیا میں متعارف کرانی چاہئے۔ اگر پاکستان اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا تو اسلامی دنیا کو مل کر ایک مشترکہ اسلامی ٹی وی چینل کھولنا چاہئے جس کے ذریعہ کشمیر، فلسطین، بوزنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ اسلامی ثقافت پر مبنی پروگرام پیش کئے جائیں۔ مذہب اسلام کا تعارف کرلیا جائے تاکہ جو لوگ اس مذہب کو بنیاد پرستوں کا مذہب کہتے ہیں ان کو صحیح صورت حال کا پتہ چلے۔

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قادیانی تو ڈش سے فائدہ اٹھارہے ہیں کہ ان کا رہنما مرزا طاہر احمد ڈش پر پوری دنیا میں قادیانیوں کو باقاعدگی سے خطاب کرتا رہتا ہے۔ اس پراپیگنڈہ کی یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور بعض مغربی ممالک میں قادیانیوں کو اصل مسلمان بنا کر پیش کیا جارہا ہے"۔

(نوائے وقت لاہور ۲ر ستمبر ۹۷ اشاعت خاص صفحہ آخر)

☆......☆......☆

قادیانی کردار

پاکستان کے سابق وزیر داخلہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کا انٹرویو روزنامہ خبریں لاہور میں شائع ہوا۔ اس میں وہ بیان کرتے ہیں:

"ایک بار مولانا چنیوٹی ایک میٹنگ میں آیا۔ بات سے بات شروع ہو گئی۔ مولانا نے مجھ سے پوچھا کہ "آپ کے بارہ میں سنا ہے کہ آپ باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں"۔ میں نے جواب دیا کہ "ہاں"۔ پھر کہنے لگے کہ "آپ تلاوت کرتے ہیں"۔ میں نے کہا ہاں۔ مولانا چنیوٹی نے کہا پھر شاید آپ قادیانی ہیں۔

میں نے مولانا سے پوچھا مولانا آپ امامت کراتے ہیں۔ مولانا نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا آپ تہجد پڑھتے ہیں مولانا نے کہا ہاں۔ میں نے کہا تو پھر آپ کو قادیانی ہونے کا زیادہ حق پہنچتا ہے"۔ (روزنامہ خبریں لاہور۔ ۵ر ستمبر ۹۷ء اشاعت خاص صفحہ اول)

☆......☆......☆

خدا کس کے ساتھ ہے

ابوبکر بلوچ حیدر آباد ماہنامہ دفاع کراچی میں بعنوان "۳۰ لاکھ افراد کا کفر۔ ایک لمحہ فکریہ" کے تحت لکھتے ہیں:

"چند روز قبل اپنے بعض قادیانی دوستوں کے ساتھ (جو آپ کو احمدی کہتے ہیں) ان کے امام مرزا طاہر احمد کا خطاب بذریعہ سیٹلائٹ دیکھنے کا موقعہ ملا...... قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ مگر یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ قادیانیوں کے قتل کو مباح (حلال) قرار دیا گیا مگر یہ ختم نہ ہوئے۔ قتل کے جھوٹے ڈرامے رچائے گئے لیکن بے کار۔ اب سب کی کوششوں کے باوجود یہ بات سامنے آئی ہے کہ قادیانی جماعت کا سربراہ بڑے فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہے 'چشم عالم نے یہ نظارہ آج سے قبل نہیں دیکھا کہ ۳۰ لاکھ افراد ایک سال میں کسی مذہب میں داخل ہوئے ہوں۔'......

قادیانیوں کی روز افزوں ترقی، لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کا قادیانی مذہب میں داخل ہونا اور دنیا کا قادیانیت کی طرف بڑھتا ہوا میلان بظاہر اس بات کی علامت معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف کھڑا ہے"۔

(ماہنامہ دفاع کراچی اگست ۹۷ء صفحہ ۴۰ جلد ۱ شمارہ ۳)

☆......☆......☆

جناب مولانا ظفر علی خاں ظفر ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور

"ہم مسلمانوں سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا میں اپنے دین مقدس کو پھیلانے کے لئے کیا جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ کیا ان کی طرف سے ایک بھی تبلیغی مشن مغربی ممالک میں کام کر رہا ہے؟ گھر بیٹھ کر احمدیوں کو برا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان میں اور دیگر یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء، دیوبند، فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغ و اشاعت حق کی سعادت میں حصہ لیں"۔

(اخبار زمیندار لاہور دسمبر ۱۹۲۶ء)

نیز فرمایا:۔

"مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار، کمربستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے۔ وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت افزائی اور قدردانی کے قابل ضرور ہے، جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت اسلام کر کے دکھادی ہے"۔

(اخبار زمیندار لاہور ۲۴ر جولائی ۱۹۲۳ء)

PAKISTAN POST
TORONTO - MONTREAL EDITION
پاکستان پوسٹ
Volume 9. Issue number 428
June 07th to June 13th, 2001
Mississauga: (905) 270-5710 - Montreal: (514) 274-7642
#1006-2365 Confederation Pkwy. Mississauga, ON. L5B-1R7

مشرف کی غیر آئینی حکومت کو عوامی حمایت مل سکتی ہے

جنرل مشرف نے جشن عیدِ میلاد النبیؐ کے ایک اجتماع جس میں 5 ہزار ہزار سے زائد علماء کرام نے شرکت کی، خطاب کرتے ہوئے کہا ہے، مذہبی تنظیموں اور علماء کرام کی نااتفاقیوں اور ان کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کے باعث پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیئے جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ جنرل مشرف جن کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں مذہبی تنظیموں نے بڑے پیانے پر اسلام کی آڑ میں تشدد کی سیاست کو ہوا دی تھی اور جہاد کشمیر کے نام پر ملک میں فساد کا خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ آج وہی تنظیمیں پاکستان کیلئے ایک بڑا خطرہ بن چکی ہیں، مشرف حکومت نے اپنے ابتدائی دنوں میں ان تنظیموں کی حمایت حاصل کرنے کیلئے دوغلی پالیسی پر چلتے ہوئے پہلے تو چھوٹ دی اور جب رسی کھینچنے کی کوشش کی تو یہ تنظیمیں اور اس کے رہنما و کارکن بپھر گئے۔ آج کے پاکستان میں جہاں بیروزگاری، غربت اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ ان تنظیموں کے کارناموں نے دو آتشہ کا کام کیا ہے۔ مذہبی فرقہ پرستی کی آگ نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ایک دوسرے کی نفرت کا جہاں عام افراد نشانہ بن رہے ہیں وہیں عالمی برادری میں ان واقعات کے باعث پاکستان تنہا سے تنہا ہوا جا رہا ہے اور دنیا کی دوسری قومیں پاکستانیوں کے رویئے سے خوفزدہ ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ جنرل مشرف کا جرات کے ساتھ پہلی بار یہ اعتراف کہ ان مذہبی تنظیموں کے باعث پاکستان کی عزت و وقار داؤ پر لگ گیا ہے قابل تحسین قرار دیا جانا چاہیئے کہ کم از کم انہیں اپنی حکومت کی غلطیوں کا احساس تو ہوا اور انہوں نے قوم کے اصل گناہگاروں کی نشاندہی تو کی۔ ایسی صورتحال میں ملک کے دانشور طبقوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے عام پاکستانیوں کی راہنمائی کریں اور انہیں اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھنے کی ترکیب و ترغیب دیں،

بالخصوص اس نازک موقع پر پاکستانی میڈیا اسلام کی انسان دوستی، اس کے نظم و ضبط، صبر و تحمل، رواداری کی تشہیر کرے اور عام پاکستانی کو یہ سمجھائے مذہب، فرقہ، نظریہ ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ شیعہ، سنی، کرسچین، قادیانی سب اللہ کے بندے ہیں۔ تمام مذاہب فرقے، نظریے قابل احترام ہیں۔ یہ سب رواداری، نظم و ضبط، صبر و تحمل سکھاتے اور سمجھاتے ہیں اگر کوئی مسلمان ہے لیکن باعمل نہیں تو وہ کسی طور ایک باعمل کرسچین سے اعلیٰ و ارفع نہیں ہو سکتا۔ آپ کی سوچ نظریئے، عقیدے کا احترام ہو تو آپ پر دوسرے کے نظریئے و عقیدے کا احترام لازم ہو جاتا ہے۔ ایک مسلم معاشرے میں تو ویسے بھی ہر ذی روح کو تحفظ فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ آخر ہم کس بنیاد پر اعلیٰ و ارفع قرار دیئے گئے ہیں یہی کہ ہم دائرہ اسلام سے باہر کے لوگوں کے حقوق بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پھر انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں جہاں خبر یا بات لمحوں میں ساری دنیا کا احاطہ کر لیتی ہے، ہم اپنے کردار، اخلاق اور رواداری کے ذریعے ہی عالمی برادری میں عزت و وقار کے حقدار قرار پا سکتے ہیں۔ یہ کیسا قانون ہے کہ دو مذہبی جنونیوں کے ایماء یا ان کے بیان پر ہم ایک شخص کو توہین رسالت کا مرتکب قرار دے کر سولی چڑھا دیتے ہیں۔ ہمارے رسول اکرم کی شان میں گستاخی آخر کون کر سکتا ہے۔ کیا کسی کے ایک یا سو جملے ہمارے یا آپ کے رسولؐ، اس رسول کی شان چھوٹی کر سکتے ہیں جس کی بدولت اس پوری کائنات کے وجود کا جواز پیدا کیا گیا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے رسولؐ کی شان میں کسی کافر یا خدا کے ٹھکرائے ہوئے انسان کے دو چار جملے کمی واقع کر سکتے ہیں۔ وہ رسولؐ جس کی شان خدا خود بیان کرتا ہو، اس کے خلاف بولنے والا خدا کا مجرم ہے۔ ہم رسولؐ اور خدا کی آڑ لے کر ملک کو عصبیت و منافرت پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ ہم سب کو سوچنا چاہیئے اور ایسے عناصر کے خلاف جو ان مسائل کو ہوا دے رہے ہیں کے خلاف حقیقی جہاد کرنا چاہیئے۔ جنرل مشرف کی غیر جمہوری، غیر آئینی حکومت کو اگر اپنے ابتدائی ایام کی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے تو پھر وہ ان عناصر کے خلاف جو ملک میں مذہبی منافرت پھیلا کر دہشت گردی کو ہوا دے رہے ہیں، جرات مندی کے ساتھ قدم اٹھائے پوری پاکستانی قوم کی اسے تائید حاصل ہو گی۔ عین ممکن ہے اس کے اس اقدام سے غیر آئینی حکومت کو عوامی تائید بھی مل جائے جو موجودہ حکومت کا خواب بھی ہے۔

(اداریہ ہفت روزہ پاکستان پوسٹ ٹورانٹو)

۷ جون تا ۱۳ جون ۲۰۰۱

مدیر ہفت روزہ وطن (ٹورانٹو)

جناب طاہر اسلم گورا اپنے

مستقل کالم بلاتکلف میں

زیرعنوان:

کینیڈا میں ختم نبوت کانفرنسوں کا کیا جواز ہے

رقم طراز ہیں:

کینیڈا کا شہر ٹورونٹو جو دنیا کی بیسیوں قوموں، نسلوں، زبانوں اور مذاہب کو بسائے ہوئے ہے اور جس شہر اور جس شہر کے ملک میں نسلی اور مذہبی منافرت کے خلاف ٹھوس قوانین موجود ہیں وہاں آئے دن "ختم نبوت" کانفرنس کے انعقاد کا کیا جواز ہے؟؟ ان ختم نبوت کانفرنسوں میں کھلم کھلا احمدی فرقے کو نشانہ بنایا جاتا ہے جو انسانی حقوق کی بھی تذلیل ہے، نسلی منافرت کا بھی اظہار ہے اور ملٹی کلچر سوسائیٹی کی بھی بے حرمتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اب کینیڈا کے ریڈیو پر بھی مولوی حضرات نفرت کے بیج بو رہے ہیں، گزشتہ دنوں ایک مقامی ریڈیو پروگرام میں احمدی اور پرویزی فرقوں کے بارے بہت زہر آلود باتیں کی گئیں۔ گزشتہ دنوں اوپر تلے دو ختم نبوت کانفرنسیں کر کے فرقہ واریت کا ویسا ہی ماحول پیدا کیا گیا جیسا پاکستان میں دیکھنے کو آتا ہے، ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان سے شاہ احمد نورانی خصوصی طور پر آئے، انہوں نے کینیڈا میں بسنے والے تمام غیر احمدی فرقوں سے مطالبہ کیا کہ احمدیت کے روک تھام کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔ جامعہ اسلامیہ مسی ساگا کے زیرِ اہتمام ایک دوسری ختم نبوت کانفرنس میں کویت سے آئے ہوئے ایک نام نہاد عالمِ دین نے نسلی منافرت اور مذہبی نفرتوں کی مد میں زہر افشانی کی۔ اس موقع پر یہ سوال بے جا نہ ہوگا کہ ختم نبوت کانفرنسیں منعقد کرنے والے افراد اور اداروں کا جواز کیا ہے؟ کیا ان مذہبی اداروں کا ختم نبوت کے بارے کانفرنسیں کرنے سے سارا مذہبی فریضہ طے ہو جاتا ہے اور کیا یہ کینیڈا کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے؟ کیا ان مذہبی اداروں کو کینیڈا میں بسنے والے دیگر بیسیوں مذاہب اپنے مذہب سے مختلف نظر نہیں آتے اور یہ اس کے باوجود احمدیت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا صاف مقصد احمدیت کے خلاف تحریک چلا کر چندے بٹورنا ہے۔ لیکن ان کے اس طرح کرتے رہنے کی کینیڈا میں اجازت ہے؟ یقیناً نہیں ہے اور اس ضمن میں کینیڈین حکومت اور متعلقہ اداروں کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ سے ایسی منافرت بھری سرگرمیوں کا لاء اینڈ آرڈر کے سرکاری ادارے نوٹس لیں اور یہاں کی انسانی حقوق کی انجمنیں بھی اپنا کردار ادا کریں۔

(ہفت روزہ وطن ٹورانٹو ۸ تا ۱۵ جون ۲۰۰۱ء صفحہ: ۶)

ایڈیٹر کی ڈاک

یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہو گی

(ایڈیٹر کی ڈاک میں جو مضامین شائع کئے جاتے ہیں لکھنے والوں کے اپنے خیالات کے غماز ہوتے ہیں۔ان مضامین یا خیالات سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں)

جناب مدیر پاکستان اسٹار۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہدیہ مسنون

"خود مختار قادیانی ریاست کا اعلان کر دیا گیا"

پاکستان اسٹار کے حالیہ شمارے میں اس خبر کے الفاظ دیکھ کر میں حیرت واستعجاب اور نہایت دلچسپی سے خبر کا مکمل متن اس اشتیاز کے ساتھ پڑھنا شروع کیا کہ دیکھوں تو کہ اتنا بڑا اعلان بھلا کس حوالے یا مخبراتی ایجنسی سے موسوم ہے۔ لیکن کوئی بھی مصدقہ ایجنسی کا نام پتہ نہ مل سکا۔ جماعت احمدیہ کا ایک ادنیٰ فرد ہونے کے ناطے راقم اس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ ہماری جماعت کے خلاف افتراء بازی وطنِ عزیز پاکستان کے بعض نام نہاد دانشوروں بالخصوص "لفافہ جرنلزم" سے مستفید ہونیوالوں کے ہاں نہ صرف فیشن بلکہ ایک منافع بخش کاروبار کا رنگ اختیار کر چکی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی سرپرستی بعض اوقات اعلیٰ حکومتی عہدوں پر متمکن شخصیات بھی اس بناء پر کرنے لگتی ہیں کہ عوام الناس کی توجہ حکومت وقت کی مایوس کن کارکردگی سے ہٹائی جا سکے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ سے منسوب مذکورہ بالا مذموم "اعلان" بھی دراصل اسی قسم کے ڈرامے کا ایک تسلسل ہے جو ۱۹۸۴ء میں کھیلا گیا تھا جب سیالکوٹ کے ایک نیم پاگل شخص اسلم قریشی نامی کے متعلق کہا گیا تھا کہ اسے مرزا طاہر احمد نے اغوا کروا کر قتل کروا دیا ہے۔ چنانچہ اس ڈرامے کے ذریعے افرادِ جماعت احمدیہ پر پاکستان میں بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ لیکن بالآخر اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس وقت ہوا جب اسلم قریشی کا نام نہاد "مردہ" از خود زندہ ہو کر ایران میں خود اختیار کردہ جلاوطنی ختم کر کے پاکستان واپس لوٹ آیا۔۔۔۔۔!! آج کل پھر اس معتوب جماعت کے خلاف بہتان طرازی، منافرت انگیزی حتیٰ کہ قتل وغارت کی منظم مہم زوروں پر ہے۔ چنانچہ گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کی احمدیہ عبادت گاہ کے اندر عبادت میں مصروف بیگناہ افراد پر اندھا دھند فائرنگ کر کے پانچ افراد کا قتل اور اسے ایک ہفتہ بعد تخت ہزارہ ضلع سرگودھا کی ایک احمدیہ بیت الذکر میں دسیوں مسلح افراد کو بھیج کر عبادت میں مصروف کم وبیش آدھی درجن احمدی کا نہ صرف قتل بلکہ نعشوں کی بےحرمتی اور بعد ازاں بیت الذکر کو جلا کر خاکستر کر دینے کے ہولناک واقعات مذموم مہم کا حصہ ہیں۔ یہاں میں اپنے وطنِ عزیز پاکستان کے شرفاء (میرا ایمان ہے کہ میرے وطن کی اکثریت شریف النفس شہریوں پر مشتمل ہے) سے یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ ان واقعات کی روشنی میں پاکستان کے اسلامی تشخص کی کس قسم کی تصویر قوموں کی برادری میں ابھرے گی؟ نیز بھارت میں بابری مسجد کی شہادت اور اسکی جگہ رام مندر کی تعمیر پر پاکستان کیونکر بھارت کے انتہا پسندوں کی مذمت کر پائے گا۔۔۔۔؟

اب چند باتیں مذکورہ خبر کے من گھڑت ہونے کی بابت قارئین کے گوش گزار کرنا چاہوں گا۔ اس خبر کے جھوٹ اور بودا ہونیکی ایک عام فہم دلیل تو یہ ہے کہ کشمیر جیسے متنازعہ خطہ زمین، جہاں اب تک دونوں ممالک کے درمیان تین خونریز جنگیں بھی ہو چکی ہیں، کی ایک انچ زمین پر بھی کوئی فریق پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تو کیا بھارت یا پاکستان اپنی اپنی سرزمین پر کسی نئی "خود مختار" ریاست کے قیام کی اجازت دے دیں گے؟ ظاہر ہے کوئی ذی ہوش انسان یا جماعت ایسی حماقت کیونکر کر سکتی ہے۔ بعینہ اس خبر میں اختراع ساز نے بعض ایسی ناگفتنیاں بھی لکھ دی ہیں جو اسکی اصلیت کی قلعی از خود کھول رہی ہیں۔ مثلاً خبر میں مرزا طاہر احمد (امام جماعتِ احمدیہ) کی طرف سے مرزا محمود احمد کو "مفروضہ ریاست" کی کمیٹی کا سربراہ مقرر کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ جماعت احمدیہ کے اندر اور باہر مرزا محمود احمد چونکہ ایک معروف شخصیت کا نام ہے چنانچہ خبر گھڑنے والے نے اپنی اختراع کو ذرا معتبر بنانے کیلئے اس میں مرزا محمود احمد کا نام شامل کرنا ضروری سمجھا۔ یاد رہے مرزا محمود احمد وہی شخصیت ہے جس نے تحریکِ قیامِ پاکستان کے دوران ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو مسلم لیگ کی حمایت کی ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا:

"آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہئے تاکہ مسلم لیگ انتخابات کے بعد کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائیگی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہو گی" (حوالہ: اخبار "الفضل" قادیان۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء) چنانچہ جماعت احمدیہ کے ایک شدید مخالف مولانا ظفر علیخاں ایڈیٹر "زمیندار" جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بٹالہ سے کھڑے تھے وہاں احمدیوں کی اکثریت تھی۔ جنہیں احمدیوں نے اپنے ووٹ دیکر کامیاب کروا لیا۔

جناب مرزا محمود احمد کی طرف سے قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں قائد اعظم اور مسلم لیگ کی قدمے، درمے، سخنے، مساعی پر دہلی کے اخبار "ریاست" (جس کے مدیر برصغیر کے مشہور سکھ صحافی سردار دیوان سنگھ مفتون تھے) نے اپنے ایک ادارتی نوٹ میں طنزاً لکھا ہے کہ آج احمدی پاکستان کی تائید کر رہے ہیں مگر جب پاکستان قائم ہو گیا تو وہاں ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائیگا جو افغان حکومت نے کابل میں احمدیوں کیساتھ کیا تھا۔ اس پر انہی مرزا محمود احمد نے ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء کو ایک پر شوکت تقریر میں مختلف نکتہ ہائے نگاہ سے مطالبہ پاکستان کی معقولیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلان کیا کہ: "مسلمان مظلوم ہیں اور ہم تو بہر حال مظلوموں کا ساتھ دیں گے۔ خواہ ہمیں تختہ دار پر لٹکا دیا جائے"۔ (حوالہ اخبار الفضل قادیان ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء)

دوستو خدا لگتی کہیئے کیا کوئی ایسا شخص جس نے گھر بنانے میں خون پسینہ بہایا ہو وہ اپنے ہی گھر کو توڑنے کا تصور بھی کر سکتا ہے۔؟ مگر اس سے بھی اہم اور دلچسپ بات ملاحظہ ہو جو اس خبر کی بے بنیادی کا ثبوت ہے کہ مذکورہ بالا مشہور تاریخی شخصیت یعنی مرزا محمود احمد صاحب، جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام مرزا طاہر صاحب کے والد اور جماعت احمدیہ کے دوسرے امام تھے جن کا انتقال ۸ نومبر ۱۹۶۵ء کو ہوا۔ یعنی آج سے ۳۵ سال قبل۔۔۔۔ کسی شاعر نے ایسے ہی موقع کیلئے کیا خوب کہا ہے۔

میں سچ بولوں گا پھر بھی میں ہار جاؤں گا

وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دیگا

آخر میں اپنے ہموطن پاکستانیوں سے گزارش ہے کہ وہ جماعت احمدیہ سے منسوب مذکورہ بالا اینٹی پاکستان خبروں پر ہرگز یقین نہ کریں۔ باحیثیتِ افرادِ جماعت احمدیہ ہم رحمت العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اس ارشاد مبارک پر دل وجان سے یقین وایمان رکھتے ہیں کہ حب الوطنِ من الایمان۔ کہ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ ویسے بھی وطن کی دھرتی تو ماں درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ بھی ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ بس کوئی بے غیرت ہی ہو سکتا ہے جو ماں کے اعضاء کاٹنے کو جسارت کرے۔ ان گزارشات کو میں امام جماعت احمدیہ مرزا طاہر احمد صاحب کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں: "ہمیں اپنے وطن (پاکستان) سے محبت ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم اس محبت میں سب سے پیش پیش ہیں قطع نظر اسکے کہ وطن ہم سے کیا سلوک کرے۔ ہم بہر حال اس وطن کیلئے ہر خطرے میں انشاءاللہ سب سے آگے ہوں گے۔ ہر وہ تیر جو وطن کی طرف چلایا جائیگا احمدیوں کی چھاتیاں سب سے آگے ہونگی ان تیروں کو لینے کیلئے" (روزنامہ الفضل۔ ربوہ پاکستان۔ ۷ ستمبر ۱۹۹۴ء، دفاعِ وطن نمبر)۔

الراقم: این۔ احمد۔ ٹورانٹو

Weekly
PAKISTAN STAR
TORONTO

Sulfiting agents are sometimes used to preserve the color of foods such as dried fruits and vegetables, and to inhibit the growth of microorganisms in fermented foods such as wine. Sulfites are safe for most people. A small segment of the population, however, has been found to develop shortness of breath or fatal shock shortly after exposure to these preservatives.

Sulfites are capable of producing severe asthma attacks in sulfite-sensitive asthmatics.

For that reason, the FDA has banned the use of sulfites on fresh fruits and vegetables (except potatoes) intended to be sold or served raw to consumers. Sulfites added to packaged and processed foods must be listed on the product label.

Aspartame
Low-calorie Sweetener

In carefully controlled clinical studies, aspartame has not been shown to cause allergic reactions in adults or children. In addition, the FDA has concluded that there is no convincing evidence of a cause-and-effect relationship between aspartame and possible reactions reported by consumers over the past 10 years.

Two reports have suggested a possible link between aspartame and skin reactions in some individuals, although these findings have not been confirmed in clinical trials. Whenever aspartame is added to foods, it is listed on the product label.

Is A Cancer Cure Within Reach?

The field of cancer is undergoing a sea of change, thanks to the genetics revolution that has uncovered many of the defects responsible for causing the disease. Using the latest molecular biology techniques to zoom in on cancer's genetic roots, scientists and doctors are starting to halt pre-cancerous growths before tumors ever develop and to target cancers that have already started to grow with a precision unimaginable just a decade ago.

Symptoms of Food Allergy

The most common symptoms involve the gastrointestinal tract, beginning with swelling or itching of the lips, mouth and/or throat.

Once the food enters the stomach, nausea, vomiting, diarrhea or cramping may occur. Itching, hives and skin rash or redness also are common.

Severe cases can result in anaphylactic shock - extreme difficulty in breathing, irregular heart beats, a drop in blood pressure and, if untreated, even death.

Allergic reactions to food usually begin within minutes to hours after eating the offending food. In a very sensitive person, simply touching or smelling the offending food may produce an allergic reaction.

Sensitivity to MSG (Monosodium Glutamate)

A small percentage of the population reports sensitivity to monosodium glutamate, or MSG, a food additive that enhances flavor by stimulating the taste buds.

After MSG was linked to brain damage in infant laboratory animals in 1970, manufacturers agreed to stop adding it to baby food. But MSG is still commonly added to many products, including canned soup, frozen dinners, flavored potato chips, fried chicken batter and Chinese food.

Symptoms of "MSG Syndrome" include: dizziness, nausea, skin rash, migraine headache, asthma-type symptoms, flushing and tremors.

Though the Food and Drug Administration requires labeling of products that contain MSG, consumer groups that take an anti-MSG stance warn that several other additives are close enough chemically to MSG to produce similar reactions, including "hydrolyzed vegetable protein" and "yeast extract."

Anaphylaxis

A rare but potentially fatal condition in which several different parts of the body experience allergic food reactions at the same time.

Symptoms may progress rapidly and include severe itching, hives, seating, swelling of the throat, breathing difficulties, lowered blood pressure, unconsciousness or even death.

If you are experiencing such a reaction, seek emergency medical care immediately!

Food Allergy and Infants

Most studies show the maternal diet during pregnancy has little influence on sensitization of the infant to foods. Thus, a mother-to-be should not restrict her diet in an effort to prevent food allergies in her offspring.

Dry Fruits and Sulfites

What Exactly Is A Food Allergy?

An adverse reaction to an otherwise harmless food or food component that involves the body's immune system.

People who inherit the ability to develop allergies make increased amounts of an immune system antibody called Immunoglobins E (IgE). When allergic individuals eat certain foods, their immune systems are stimulated by the food allergens to make IgE specific to that food. Millions of IgE antibodies then circulate in the blood; they bind to blood cells called basophils and enter body tissues where they bind to mast cells. Basophils and mast cells produce and store various substances such as histamine that cause allergic symptoms.

Although about one-third of Canadian believe they have food allergies, only 1 percent of adults and 3 percent of children have true immunological food allergies. Other reactions to food that do not involve an immune reaction (and thus are not food allergies) are:

- Food Intolerances is a lack of digestive chemicals, e.g. an inability to digest milk sugar (lactose intolerance)Reactions to food additives e.g. Sulfites and MSG
- Reactions to substances found naturally in food: (Caffeine in coffee, Phenylethylamine in chocolate, Tyramine in cheese, etc)
- Food Poisoning, which is caused by microorganisms in the food, not the food itself.
- Unknown Reactions are adverse symptoms from a food, that actually go away when the food is avoided, but manifesting no evidence of a physiological basis for the reaction.

Who is at risk of developing food allergies?

Although anyone can develop a food allergy, there is a hereditary component.

Children with one allergic parent have about twice the risk of developing a food allergy than children without allergic parents. If both parents are allergic, a child is about four times more likely to develop a food allergy than if neither parent is allergic.

Many children with food allergies also show sensitivity to inhaled allergens such as dust, cat dander and pollen, or may develop allergies later in life. In addition, adults who develop food allergies often have histories of respiratory allergies such as asthma.

Foods that cause Allergies

Although virtually any food can evoke an allergic reaction, eight foods cause 90 percent of all food allergic reactions. They are milk, egg, wheat, peanut, soy, tree nuts, fish and shellfish.

- They maintain that Jehovah is God's personal name
- They do not believe in the principle of Trinity
- They believe that God, Jesus and the Holy Spirit have separate identities
- The Holy Spirit is a force from God that inspires people
- Jesus was the first person created by God. However, during his earthly stay, Jesus was all human whom God anointed as Messiah
- They believe that Adam and Eve lost their original immortality for their sin
- They do not believe in a fiery Hell
- They believe that Jesus will return and will rule the earth with a band of believers
- Approximately 144,000 of the selected believers will be taken to Heaven and will rule from there along with God and Jesus

The coming of Jesus is not emphasised any more after he repeatedly refused to appear. The first prediction was for 1874, then for 1914, then for 1918, then for 1957, then for 1975,and more recently for 1984.

The members give great emphasis to the family unit where the male is the head. The organisation always had an anti-female stance. Otherwise, the members are generally law-abiding, given to preaching and community service. However they have many beliefs that have earned them a bad name over the years. These include:

- Not fighting in the war
- Not saluting the country's flag
- Not giving or taking blood in emergency, since its consumption is prohibited
- Not celebrating many religious holidays (Christmas, Easter, etc.)
- Being narrow minded, dogmatic and not accepting many scientific facts such as the organic evolution.
- Calling all worldly organisations as the work of Satan

TAQWA

Beware that no deed will reach God, which is deprived of *Taqwa*. **The base of every virtue is *Taqwa*.** The deed, whose base is firm, will not be destroyed. It will be that you are tied with sorts of loss and misfortune as were the believers of yore. Therefore, beware lest you tumble. Earth can do you no harm if you have firm bond on the high. **Whenever you will suffer, it will be at your own hands and not at the hands of the enemy.** If all your earthly prestige is washed away, God will grant you lasting honour on the skies. So do not abandon Him. **Surely you will be persecuted** and lots of your hopes smashed, but do not pine for them. **It is the trial from God to see if you are steadfast or not.** *(Kashti-e-Nooh, Page 14)*

Boston in 1879. She died in 1910 at the age of eighty-nine.

The Church of Christian Scientists sponsors no missionaries. Apparently only those people join the Church who themselves had some healing experience of their own. Thus, unlike other Christian denominations, the faith is not automatically passed on to the next generation. It generally attracts educated people who can understand the metaphysical language of this denomination. Christian Science Churches do not provide normal services related to baptism, marriage, or death. These services are normally obtained by the followers from other Churches. Also, individuals are expected to work out their own salvation. The members abstain from alcohol, tobacco, and all drugs (sometimes including tea and coffee).

Jehovah's Witnesses

The denomination of Jehovah's Witnesses was established by **Charles Taze Russell** who was born in Pittsburgh in 1852. Although Russell initially followed Presbyterian and Congregational Churches, he soon became disillusioned with them. In 1870 he organised Bible study groups and he started to believe that the second coming of Christ was imminent.

In 1879, he broke away from the Adventists and started producing his own magazine by the title of *Zion's Watch Tower and Herald of Christ's Presence*. His movement is variously known as Russellite, Watch Tower, Millennial Dawn and Jehovah's Witnesses.

According to Russell, Bible was the authentic revelation of God that contained valuable keys to the events of the past and the future. Thus based on Biblical numerology, Russell worked out the idea that Jesus will appear in 1914 to establish his much-awaited kingdom on earth.

As 1914 came and went, his followers were confused and disillusioned and many left the Church. In 1916 he wrote that the promised kingdom would be established soon in a few years. Russell died the same year.

After Russell, another member by the name of Joseph Rutherford, commonly known as the "Judge", took over the leadership of the movement. He was a stern disciplinarian and quickly centralised the control of the entire organisation in Brooklyn. Soon he disbanded independent Bible study groups and imposed the reading of literature generated by the centre. In 1931, the members began to be officially called Jehovah's Witnesses.

At the death of Judge Rutherford in 1942, Nathan Knorr was elected the new president of the organisation. He died in 1977.

The organisation has no ordained clergy and each member works as a volunteer in various capacities that are hierarchically arranged. Each member is expected to spend a certain number of hours each week in preaching activity and in the sale of the organisation's literature.

Following is a brief list of what the Witnesses believe:

the Mississippi River to the Great Salt Lake. Here the Salt Lake City was founded as the new centre of the Mormon community along plans that were originally developed by Joseph Smith himself.

The Mormon Church also had significant conversions among the Europeans, particularly in Britain. Special arrangements were made to transport these followers in specially chartered ships.

Regarding their beliefs and practices, Mormons maintain that:

- Human nature is not sinful, nor shall man be punished for Adam's fall
- Humans have immortal souls (if the soul can live after death, it must have been alive before birth)
- The Hell does not exist
- Infant baptism should not be practiced

The Mormon Church does not have any paid clergy. The male Saints are admitted to priesthood at the age of twelve. The Church has a hierarchical organisation and is financially supported by imposed contributions that amount to one tenth of one's earnings. Although the Mormons have officially given up polygamy, they still come under attack for their racism (non-whites are regarded as descendants of Cain) and their old fashioned views regarding the role of women.

The Christian Scientists

The Christian Scientists is the only Christian denomination that is founded by a woman — **Mary Baker Eddy** who was born in New Hampshire in 1821. Active as a member of the Congregational Church, she spent most of her life suffering from a number of ailments. She was married three times in her life. Her first husband died within a year of the marriage, the second marriage led to divorce and her third husband gave her the last name by which she is remembered today.

In 1862, she underwent treatment by hypnotism at the hands of Dr. Quimby and made some effort to learn the art herself. In 1866, at the age of 45, Mary Eddy slipped on ice and apparently suffered serious injury. Then one day she was reading the Bible when she felt as if she was filled with the goodness of God. At that exact moment, she wrote later on, she was healed.

Mary Eddy believed that Bible had the power to heal and this was exactly what Jesus practiced himself. She called her discovery Christian Science and began to preach it to others. In 1875 she published her first major book, ***Science and Health with Key to the Scriptures***. The book had three objectives: to interpret the Bible correctly, to explain the science of healing, and to discredit other healing techniques being used at that time.

According to the Christian Scientists, all illnesses and problems of the body are simply illusions of the mind. The practice of Christian Science is supposed to dispel these illusions. They also reject the concepts of hell and heaven as actual places and interpret them as conditions that Man goes through in this very life.

Mary Eddy and her students founded the first Church of Christian Scientists in

exercise of self-control in their social dealings.

The Salvation Army

The Salvation Army was founded in 1865 by **William Booth**, a Methodist minister. Booth broke away from the Methodist Church and founded his own organisation along military lines with himself as general, his ministers as officers and the members as soldiers. All wore uniforms.

The beliefs of the Salvation Army are similar to the Protestants although they emphasise evangelism and conversion. The army is always ready to perform many social services.

Mormons
(The Church of Latter Day Saints)

The Mormon Church was founded in 1830 by **Joseph Smith**. His followers regard him as a prophet and believe that the divinely inspired prophecy is still continuing. When Joseph was eighteen years old, an angel by the name of Moroni appeared to him and told him about a historical book made of gold plates that was hidden in a hill and contained the account of the original inhabitants of the American continent. In 1830, Joseph published ***The Book of Mormon***, which was based on the original mysterious book. The Mormons hold this book in great esteem and revere it like the Old and New Testaments.

The Book of Mormon covers a historic period from about 2200 BC to 421 CE. His critics dismissed the prophecies and accounts in the book as pure fantasy and a hoax that the charismatic Joseph Smith apparently perpetrated largely against the rural communities of his day.

According to Smith, God wanted man to cultivate the wilderness, work hard in life and prepare the world for the return of Jesus Christ. The Mormons are puritanical in their beliefs and actions and abstain from alcohol, tobacco, coffee and tea.

The Mormon Church was originally founded in Kirtland, Ohio. After encountering economic difficulties and problems with the neighbours, the Mormons abandoned the original site and moved to Zion, Missouri, in 1837. The Mormons continued to be harassed in their new location and a massacre and an outbreak of mutual hostilities forced them to find new location.

In 1838, the Mormons moved to Nauvoo, Illinois, which acted as their centre for another eight years. Initially the Mormons increased rapidly in numbers through conversions. Then the news spread around the neighbouring areas that the Mormons were given to polygamy. This brought on the anger of the surrounding communities and led to violence. At the order of the state Governor, selected members of the Mormon Community, including Joseph Smith, were held in a jail until order was restored in the land. In June 1844, the jail was attacked by a mob who shot and killed Joseph Smith and his brother.

On the death of Joseph, Brigham Young took over the leadership of the Mormon community and decided to move their centre yet again. In 1946 the Mormon began to move westward. Over the next twenty-three years, some 80,000 Mormons took the 1,300-mile trail from

The most important impact of rationalism on Protestant movement was the development of Biblical criticism. At its lowest level, such criticism was directed towards the assessment of the various Bible manuscripts to decide which one was the most authentic. At its higher level, however, such criticism was directed towards the very authorship of the various Biblical books, their meanings, the dates of their writing and questioning the authenticity of Biblical miracles.

As a reaction to Protestant orthodoxy and rationalism, a number of **Evangelical movements** were started to bring back the traditional vitality and spiritualism to the faith. These new movements included **Pietism** in Germany, **Moravianism** in Saxony, and **Methodism** in the early 18th century England.

The Society of Friends (Quakers)

This movement was organised by **George Fox** (1624-1691). The nickname of Quaker was given to Fox when he told a judge to "quake and fear at the word of God". Since the last century, the Quakers are referred to as The Society of Friends. Fox preached that the truth was found in the voice of God that spoke directly to the soul of man.

The Quakers have no creed, formal worship, ordained ministry, or consecrated buildings. To them, the final religious authority rests neither in the Bible nor in the Church but in the inner light of man through which God keeps him away from sin and guides him to do good deeds.

The Quakers wear simple clothes, use only Christian names, do not use titles, refuse to take oaths and refrain from fighting of any kind. They are greatly dedicated to community work. Their meetings and gatherings take place in total silence wherein they wait for God to move them to say something. Their organisation is very simple and most work is done by volunteers.

The Brethren

The Brethren were founded in Dublin, Ireland, in 1827 by **J.N. Darby**, a former Anglican clergy. The denomination is largely given to personal devotion to Jesus Christ, giving up of worldly pleasures and reviving of Puritan values and standards. The Brethren do not have a formal clerical structure and generally meet in small groups.

Methodists

Methodism was founded by **John Wesley** in the later half of the eighteenth century as an evangelical movement within the Anglicans (Church of England). It began with informal preaching by John Wesley and his disciples but soon became an organised movement as the number of its followers swelled. Methodism has spread throughout the world through missionary efforts as well as colonialism.

The Methodist Church follows the creed and tenets of the Protestant reformation. The prevalent belief among Methodists is that they shall be saved because of their belief in Christ. The Methodists are strongly Puritanical and abstain from drinking alcohol. They lay great emphasis on human fellowship and the

Church of England (Anglicans)

Reformation in England came largely through an act of state. Henry the VIII broke away from the authority of the Pope on the issue of his marriage to Catherine of Aragon. King Henry had married Catherine, his brother's widow, after having obtained special permission from the Pope. When she did not give him a male heir, king Henry wanted to have the marriage annulled on the grounds that it was not valid in the Eyes of God to begin with. When the Pope procrastinated in giving him the desired annulment, Henry refused to accept the authority of the Pope. In 1531 CE, convocation was held of the clergy that voted to recognise the king as the head of the church in England.

In 1538, the order was issued to place an English version of the Bible in every local church in England.

The English reformation was very conservative by comparison to other such movements and generally took a middle road between traditional Catholicism and newly formed Protestantism. Thus it did not renounce any significant belief of the Catholics.

Radical Denominations

The common element in all radical denominations of Protestantism is the belief that the congregation itself should be the primary force of the church. The best-known denominations in this category include: Congregationalists, Baptists, Society of Friends (Quakers) and the Brethren.

Congregationalists believe that the local congregation constitutes the church with Christ as the head of the church. Since there are no church authorities, common people within this denomination rarely put in the effort to reach their spiritual and moral goals. Each local congregation is free to choose its own minister who does not have to wear any special robes.

The **Anabaptists** that developed in Switzerland, Rhineland and the Netherlands, were more extreme than either Luther or Zwingli. They consisted largely of the poor people who wanted to establish communities along Biblical standards. The most active in this cause were the **Mennonites** or the followers of the Dutch priest Menno Simons. The Anabaptists renounced warfare, taking of oaths in the courts and holding of political offices. The **Baptists**, who emerged in Amsterdam, have a church structure like the Congregationalists but require complete submergence of the believer in water at the time of baptism.

In its time, Protestantism was influenced by the reigning secularism and rationalism of post-renaissance Europe. Thus **Socinianism** developed in the late 16^{th} century in Poland through Italian reformers Laelius and Faustus Socinus. Socinianism accepted Bible and reason as the ultimate authority and rejected the doctrine of Trinity.

Another rationalistic expression of Protestantism took place in the appearance of **Unitarianism** in 17^{th} century England. It denied the concept of Trinity and the divinity of Jesus and placed great emphasis on universal salvation and reason.

away from the influence of a single authority, many radical groups were weary of these centralised interpretations and continued to favour individual interpretation of the Bible.

Another belief of the reform movement was the ***priesthood of all believers*** as opposed to the recognition of designated clergy. Thus no professional clergy is required in Protestantism to administer various religious rites and sacraments and to mediate salvation. In practice, however, most Protestant churches would have some professional clergy but this is more for the sake of convenience rather than a necessity. Since all ordinary persons could act as the clergy in any situation, no special standards were required of the professional clergy who were clearly permitted to marry.

Other points on which the Protestants objected included the worshipping of the saints, worshipping of Virgin Mary, saying prayers for the dead, and the general powers of the priests in the Catholic Church.

The Protestants have reduced the seven sacraments of the Catholics and the Eastern Orthodox Church to only two. These include baptism and the Lord's Supper.

Protestant services and worship are carried out in the local language of the people. The sermon is considered very important in most Protestant services and takes up most of the time in the more radical churches.

Mainstream Protestantism — consisting of Lutheran, Calvanist and Anglican churches — practice infant baptism that symbolises the intention to have everyone in the society join the church. Radical Protestant denominations , e.g. Baptists, Quakers, Moravians, Mennonite, Holiness, and Pentecostals, practice adult baptism that symbolises the joining of redeemed and practicing Christians.

VARIOUS PROTESTANT DENOMINATIONS

Within Protestantism, only the first three movements — Lutheran, Calvinist and Anglican — are considered mainstream. The others are considered radical in nature. Despite their mutual differences, all four movements agreed to reject the authority of the pope and to adopt the ultimate authority of the Bible and to emphasise individual faith.

Let us now briefly review the impact of these movements and the various denominations that originated from this activity.

The real bases for the reformation movement of the 16th century was the general dissatisfaction of the people with a number of aspects of the existing Catholic Church. These factors included the widespread corruption of the clergy, the levying of taxes by the pope and the central authority of Rome that was being increasingly resented. At the same time the secularism of European renaissance had elevated the dignity of the individual and considerably reduced the traditional authority of the pope.

While the earlier split of 1054 CE was regional in nature and left only one operating church in each country, the reformation fragmented the Christian Church even within a given country.

against indulgences, to be used for scholarly discussions. When the Catholic Church refused to change its practice and forced Martin Luther to take down his objections, he finally denied the ultimate authority of Rome in favour of that of the Scriptures. Over the next several years, he was ex-communicated by the Catholic Church and had to hide for his own safety.

Role of Ulrich Zwingli

In the meantime, Ulrich Zwingli (1484-1531) was independently arriving at similar conclusions in Switzerland that convinced him that Bible alone was the authority for the Christians. Since Switzerland was relatively free of the influence of Rome, Zwingli's ideas spread with greater freedom.

Role of John Calvin

John Calvin (1509-1564) was born among the second generation of Protestants. He produced the first systematic account of Protestant theology under the title of *Institutes of the Christian Religion (1536 CE)*. John Calvin settled down in Geneva and made this place into an important centre for the spread of his teachings. In English speaking countries, Calvinism is called **Presbyterianism** and in England its followers were knows as **Puritans** because they abstained from such pleasures as dancing, music, drama, fancy clothing, etc. When England and Scotland united in 1707, one condition of this union was that the Church of Scotland would be Presbyterian and that the king of England and Scotland *becomes* a Presbyterian on crossing the border.

General Protestant Beliefs

The central belief of Protestantism is based on the acceptance that **salvation is achieved through the Grace of God** rather than earned through one's own efforts , as believed by the Catholics. According to Martin Luther, good works that are done either to obtain reward or out of fear of punishment, cannot earn salvation. Good works must flow simply out of the goodness of the person and not be driven through some ulterior motive. Furthermore, good works did not simply constitute religious worship but included acts of love towards other people. To the Protestants, faith is not simply the act of believing something but an act of loving and placing of trust in God for His eventual forgiveness.

The second most important belief of the Protestants is related to the **ultimate authority of the Bible** as opposed to that of the Church or the Pope as practiced by the Catholics. It was for the sake of making Bible knowledge available to all people in the society that a mass effort was made to translate it from Latin into the local European languages. To give ultimate authority to the Bible, the Protestants maintained that it was completely free of any error and was the inspired word of God.

As a further step to make Bible understandable by the common people, Protestants developed **interpretations and commentaries of the Scriptures** to clarify many doctrinal issues. Thus the Lutherans produced the *Book of Concord (1580)*, Anglicans produced the *Thirty-nine Articles (1571)*, and Calvinists produced the *Westminster Catechism (1648)*. Since the original purpose of Protestantism was to move

- The Catholics pray to the dead saints but in fact they ask the saints (who are considered alive) to intercede for them and pray to God for them.
- Mary is considered as the mother of God rather than simply as the mother of Jesus, and is worshipped. Her own conception is considered "Immaculate" — meaning that it was free of original sin. It is also believed that Mary, too, was taken up into Heaven with her body and soul (doctrine of Assumption).
- The purgatory to the Catholics is not quite the *Hell of Islam*. It is in fact regarded as a vestibule of Heaven. The Catholics pray to God that people in purgatory be forgiven and taken into Heaven.
- Catholic morality — like morality in other Christian sects — is largely based on the teachings of the Old Testament.
- Faith in Jesus Christ is one of the fundamental principles of Catholicism. This is expressed by the slogan, "***Christ is the Way, the Truth, and the Life***".

The important sacraments or modes of worship of the Catholics include:

- The Sacrament of the Eucharist or the Mass which is intended to re-enact the Last Supper of Jesus Christ
- The daily prayers of the Church
- Baptism is normally performed within a few months of the child's birth
- Confirmation occurs at an older age when the believer declares his faith and becomes a member of the Church
- Penance that is meant to reconcile the Catholic after he has sinned
- Holy Orders allows a man to perform the Mass for the believing Catholics

The one most important difference between the Catholics and the Protestants is the fact that the Catholics hold the Church — with all its hierarchy and authority — as the supreme authority on earth. In contrast, the Protestants believe that the Bible is the ultimate authority and that one does not really need a central body such as a church to interpret it.

PROTESTANTISM

Protestantism is the youngest of the Christian divisions, being only 400 years old. It began in the 16th century as a reform movement within Catholicism. The broad reformation of the 16th century was itself based on many individual movements, four of which played a key role in the origin of Protestantism. These four individual movements are referred to as:

- Lutheran
- Calvanist (Presbyterian)
- Anglican (Church of England, Methodism, Salvation Army)
- Radicals (Baptist, Quakers, Brethren, Congregational, Mormons, Christian Scientists, Jehovah's Witness, etc.)

Role of Martin Luther

The reform movement was initiated by Martin Luther (1483-1546) who was a professor in the German town of Wittenberg. He revolted against the sale of indulgences whereby people could purchase certificates that would release them or their loved ones from purgatory. In 1517, Martin Luther nailed to the door of the church ninety-five objections

the two groups but made matters worse when people on both sides were insulted through various deliberate actions.

The schism of 1054 CE led to the formation of the Eastern Orthodox Church and the Western Catholic Church.

EASTERN ORTHODOX CHURCHES

After the split of 1054 CE, the Eastern Orthodox Churches included the Greek, Russian, Syrian, Armenian and Coptic churches. The Eastern Orthodox Church is also referred to as the Greek Orthodox Church or the Orthodox Catholic Church.

The authority in the Eastern Orthodox Church does not belong to a single individual (such as the Pope in the Western Catholic Church) but to Ecumenical Council. It is the responsibility of this Ecumenical Council to interpret the Biblical teachings and to administer discipline within the church.

Each national church has its own patriarch while the patriarch from Constantinople is "first among equals".

With the rise of first Islam in the Middle East and then the domination of Turks during the past five centuries, the patriarch ate of Constantinople has gone into decline, thus strengthening the base of the Western Catholic Church. The patriarch ate in Constantinople continues to support the few Greeks who live in Turkey and the millions of Orthodox Christians who live in Western Europe, the Americas and Australia.

An attempt was made in 1960 to unite the Eastern Orthodox and the Western Catholic churches during a meeting of the Pope and the Patriarch of Constantinople. However, too many differences had arisen over the centuries to affect easy reconciliation and union.

CATHOLICISM

Catholicism forms the mainstream of Christianity and is the most abundant group in the world. It is noted for its very hierarchical and rigid structure of the Church and has traditionally maintained beliefs that tend to give the highest possible rank to Jesus Christ. Some fundamental doctrines of the Catholics are listed below:

- Belief in God, as Creator, Preserver, Nourisher and Planner
- There are three aspects of the One God: the Father, the Son and the Holy Spirit. There is always one God with three different ways of action.
- God was incarnated into man when he begat His son, Jesus Christ. Thus Jesus was both God and man at the same time.
- The purpose of sending Jesus to the world was to redeem mankind of eternal sin. This was achieved when Jesus gave up his life for the sins of mankind.
- Church is the visible body of Jesus Christ that is upheld by the Holy Spirit. Thus the Catholic Church is the best interpreter of the word of God.
- The Catholic Church must be hierarchically structured with the college of bishops as its ruling group. The pope, who is called the Bishop of Rome, acts as the prime bishop (this is called papal primacy).

the west, the imperial authority was broken down and allowed Rome to exercise increasingly greater autonomy and authority. Thus beginning with the fourth century, the Church in the East and the Church in the West took increasingly different directions.

After Christianity was adopted as the official religion of the Roman Empire, the Christian Church was organised around five geographic centres:

- Ancient Rome, as the presiding church
- Constantinople (built by Constantine the great), as the new Rome
- Alexandria, in North Africa
- Antioch in Syria (present day Turkey), and
- Jerusalem

Council of Chalcedon (451 CE)

The Fourth Ecumenical Council of the Catholic Church was held at Chalcedon, near Constantinople, in 451 CE. The purpose of the Council was to end all disputes that concerned the two natures of Jesus Christ. The Council finally decided that Jesus Christ was at once man as well as God. He was co-substantial with God and of one substance with man. Thus he was one being with two natures.

Division in the Imperial Church (soon after 451 CE)

The united churches of the Empire suffered their first division in the fifth century when the Egyptian Coptic Church, the Syrian Church and the Armenian Church rejected the definition of Jesus Christ as formulated in the Council of Chalcedon.

The Christians who rejected the Chalcedonian Creed became known as **Monophysites** since they believed in "*one nature*" of Jesus Christ.

The veneration of sacred images caused another debate within the Imperial Church during the hundred-year period from 726 to 843 CE. During this period, a number of Christian kings and bishops advocated very strongly against the increasing use of icons of Christ, the Virgin Mary, and the Saints and called such practice idolatry.

Several Councils were held to decide on the issue of veneration of sacred images. Finally in 787 CE, the Seventh Ecumenical Council in Nicaea decided that it was permissible to use and venerate such images since the veneration was ultimately directed towards God Himself.

The great split of 1054 CE

Beginning with the 9th century, theological as well as political tensions began to develop within the Imperial Church. By this time the Holy Roman Empire had been established in the west and relations between Rome and Constantinople became strained. At the same time the Pope in Rome began to consolidate his authority.

The Councils of Nicaea and Chalcedon had formulated that the Holy Spirit, the third element of the Trinity, proceeded from God, the Father. The western Roman churches made an important change to this formulation and adopted the belief that the Holy Spirit proceeded from the Father *and* the Son. This was completely rejected by Constantinople. Many attempts were made to reconcile

vote and adopted simply by majority consensus.

The fundamental monotheism of Old Testament teachings could not be easily reconciled with the view that Jesus was the true Son of God. These contradictory principles caused a constant debate within early Christianity and eventually led to its first significant split in the appearance of Arianism.

Araianism

The split took its name after Arius (265-356 CE) who denied the divinity of Jesus Christ. This philosophy developed in Alexandria and Antioch in the early part of the 4th century. Having its roots in Gnosticism, the Arianistic philosophy posed the first major challenge to traditional "Catholic" viewpoints. The Arianists believed that:

- God is Unique and uncreated
- Everything else is created by God
- Christ was an intermediary between God and man but was not eternal
- Although inferior to God, Christ should still be worshipped

The open conflict between Arianism and Catholic views led to the Council of Nicaea where an official Creed was proposed for the first time.

Council of Nicaea (325 CE)

The first Council of Nicaea that was held in 325 CE, proposed the following official creed for Christian beliefs:

- Belief in One Almighty Creator God
- Belief in Jesus Christ, the only begotten son of God that is of the same substance as the Father
- Belief in the Holy Spirit
- Jesus suffered for the sake of mankind, died and rose again on the third day and then later ascended to Heaven
- Jesus shall return to judge the living and the dead

The Council of Nicaea condemned the teachings of Arianism and upheld that the Son of God was of exactly the same substance as God Himself. The creed of the Council of Nicaea was finally adopted at the Council of Constantinople in 381.

Imperial Christianity (Church of the Empire)

For the first three centuries after its origin, Christianity suffered as a religion at the hands of Roman kings. It was finally in 313 CE that Constantine became king and allowed the Christian Church to flourish. Constantine converted to Christianity and from this moment on the affairs of the state and the affairs of the Church continually intertwined.

Christianity continued to spread in the region and a guiding principle of its universality or *Catholicity* was recognised on the basis that the same faith was taught everywhere. In the later part of the fourth century, paganism was officially outlawed in the Christian lands and Christianity became the state religion.

In the Eastern Roman Empire with its capital in Constantinople, the emperors frequently interfered with the organisation of the Church with the consequence that the Church came increasingly under imperial control. In

EARLY HEBREW CHRISTIANITY (30 – 70 CE)

For approximately forty years after the event of the crucifixion and the departure of Jesus Christ from Palestine, Christianity remained primarily a sect of Judaism. Practically all followers of this movement were the existing Jews who had accepted the person of Jesus son of Mary as the Messiah promised in the Old Testament.

These early Jews retained their traditional Jewish customs of circumcision, making of burnt offering, praying in the temple, prohibition from the eating of pork and strict observance of the day of Sabbath. Thoroughly groomed in the strongly monotheistic teachings of the Old Testament, these early Christians believed in Jesus Christ only as a prophet of God and any reference to him being the son of God were automatically taken in a purely metaphoric sense.

Very gradually, as the new faith spread among the gentiles in Syria, Turkey, and across the Mediterranean Sea, emphasis on traditional Jewish aspects began to be dropped among the new converts. Thus the first theological differences that arose in Christianity were inadvertently caused by its own rapid growth.

HELENIST-ROMAN PHASE OF CHRISTIANITY (70 – 500 CE)

The Greek-Roman phase of Christianity began when Jewish Christians began to preach the message of Jesus Christ in Antioch, which was located in Syria (modern day Turkey). The most notable preacher in the early days of this phase was the Jewish rabbi by the name of Saul who converted to Christianity and took on the name of Paul. He allowed conversions of people to Christianity without imposing upon them the traditional adherence to the Jewish Law. Paul took Christianity to other areas such as Asia Minor, Greece, Italy and North Africa.

These rapid conversions among the gentiles also took a heavy toll on the theological framework of early Christianity. The Greeks and Romans used to believe in their pantheons of gods and found little psychological difficulty in accepting Jesus Christ as another deity. Thus all references to his son-ship of God began to be taken literally. A similar treatment was accorded to the miracles of Jesus wherein all references to the spiritual awakening and healing of people ended up being taken literally as physical revival of the dead and the physical healing of the sick.

For some length of time, Jewish and Greek versions of Christianity dwelt side by side. The Jewish followers of Christianity continued to adhere to their rigid monotheism while the Greek followers of Christianity began to weave Christian elements of history into their own mythology. Since the two interpretations within Christianity were so different, they ultimately began to create a visible dichotomy in theological belief.

It was this persistent battle between the Hebrew Christianity and the Greek version of Christianity that eventually led to the Creed of Nicea and the Councils of Constantinople and Chalcedon. In these Councils, an official version of Christianity had to be put to

COMMON CHRISTIAN BELIEFS

Generally speaking, all Christians accept the role of Jesus Christ as central to their faith. In some form or another, Jesus Christ remains the personification of God to the Christians and the sole means of forgiveness and eventual salvation. It is for this reason that Jesus Christ is accepted as "***Son of God***" ***and "Our Lord and Saviour***" by practically all Christians.

Some fundamental beliefs and practices of Christianity include:

- Extreme love and adoration of Jesus Christ who is generally considered the second person in the Trinity of God the Father, the Son and the Holy Spirit
- The use of sacred rites or sacraments such as Baptism, Confirmation, Eucharist or the Lord's Supper, Penance, Holy Orders, Matrimony, and Anointing of the Sick.
- Reverence for the Old and New Testaments as authoritative and holy Scriptures
- Establishment of a church as a governing body and the training of clergy
- Leading of a pure, pious and disciplined life in the service of God and humanity

The ethical imperatives of Christianity are rooted in the "***fall of man***" and his "***natural sinfulness***". Although these concepts originate from the Old Testament accounts of Adam, the special significance that is attached to these concepts is totally Christian and does not find its parallel in either Judaism or in Islam.

The concept of mercy and forgiveness is indeed taken to extreme in Christianity, largely due to the great emphasis that was placed on these things by Jesus Christ himself.

Most Christian services in the Church are accompanied by great pageantry, colour, singing, and music and strongly contrast with similar services say in Islam.

Sunday morning is the special day of worship in commemoration of Jesus' resurrection after the crucifixion. So is the great feast of Easter. Fasts are kept for forty days during the period of Lent leading up to Easter.

> 25th of December was in fact a pagan Roman Festival celebrating the birth of ***Mithra***, the **"sun god"**

The birthday of Jesus Christ is celebrated with great fanfare on the 25th of December, which was in fact a pagan Roman festival celebrating the birth of Mithra, the sun god (however, some denominations observe Jesus' birth day in the first week of January).

Over the centuries, Christianity has undergone very significant changes in its major beliefs, modes of worship, structure of the church and its religious organisation. The reasons for the splits include theological issues, political differences and leadership of the communities. Let us now view these changes beginning with the earliest or the Hebrew form of Christianity.

MAIN CHRISTIAN DENOMINAITONS AND THEIR BELIEFS

Pir Waheed Ahmad

Delivered at Ansarullah Refresher Course
Saturday November 21, 1998

INTRODUCTION

Like other major religions in the world, Christianity has had its share of sectarian differences and splits over time. Although the scholars have recognised more than three hundred distinct denominations in Christianity, most of them fall into three broad divisions that came about as a result of two major splits in the Christian Church. The first major split occurred in the eleventh century that resulted in the separation of Eastern Orthodox Church. The second split occurred in the sixteenth century as a result of the great reformation movement in Europe that gave rise to various Protestant denominations. The mainstream of Christianity is known today as the Roman Catholics.

Hebrew Christianity
Greek-Roman Christianity

|

Imperial Christianity — **Arianism, Monophysites**

|

(1054 CE)

Western Catholic | **Eastern Orthodox** (Greek, Russian, Syrian, Armenian & Coptic Churches)

|

(1530 CE)

Roman Catholic (Mainstream) | **Protestant** (Lutheran, Calvinist, Presbyterian, Anglican, Methodist, Baptist, Quakers, Congregationalists, Brethren, Salvation Army, etc. Mormons, Christian Scientists, Jehovah's Witnesses)

Together, these three broad divisions in Christianity consisting of the Eastern Orthodox, the Roman Catholic and the Protestant Churches make up more than 95 percent of all Christians. To give you an idea of their relative abundance in the world, the Roman Catholics form a clear majority, followed by the Protestants and then the Eastern Orthodox Church.

6. People and nations unite through various communication systems, transportation networks and immigration.
7. In due course of time, they get ready to accept only to the reasonable and to reject all else.
8. Meanwhile, teachings, doctrines, and beliefs etc. based on same reason, appear on paper, on the networks in audio, video and other forms accessible to the global village.
9. They have already said goodbye to their own unreasonable beliefs and ways.
10. The whole world accepts the only religion that is based on reason unlike all other faiths and creeds.

Nor is this a mere conjecture of sorts of an undue stretch of my imagination. It is a fact of recent history. Specifically speaking, an army of Ahmadiyya warriors is being equipped with the ammunitions of reason, logic and what not to take on the armies of potential Atheists of all sorts who are being disarmed of the unreasonable sets of thoughts of all kinds. The world is being exonerated of fanatics who will not listen to the voice of reason back in their former lands. The younger generations of Christians, Jews, Hindus, Sikhs, Buddhists, and other are shedding off ignorance, prejudices, fanaticisms, and historical aberrations etc. they are demanding reasonable, logical and empirical explanations of everything. And, **no community** on earth and I repeat **no community** on earth, including the Muslim communities, except the Ahmadiyya are equipped to satisfy such demands of mankind.

We can reasonably accept the world to turn around to accept Islam in its totality within the next fifty or so years because the problems created by the unnatural, the unreasonable, and the un-understandable dogmas and doctrines are quickly becoming unsolvable by the day.

Paradoxes are crying for valid solutions. It is only a matter of time before the current breed of philosophers accept their intellectual defeat and bow to the "only-set" of solutions for the problems of the world. They have no choice but to abandon their ivory towers. Inshallah!

The **Ahmadiyya Movement in Islam** was created under divine guidance with the objective to **rejuvenate Islamic moral and spiritual values.** It encourages interfaith dialogue, and diligently defends Islam and tries to clarify and remove the misconceptions and misunderstandings about Islam in the West. It advocates peace, tolerance, love and understanding among followers of different faiths. It firmly believes in and acts upon the Qur'anic teaching: ***"There is no compulsion in religion."*** *(2:257)* It **strongly rejects violence and terrorism** in any form and for any reason.

DIASPORA OR A DIVINE DESIGN?

(Prof. M.A. Chaudhry)

Millions of people are leaving their native lands and resettling into western countries. They seem to do so in search of better comforts of life, but is that really so? Yes and No. Yes, because they think so and No, because one can clearly see a divine plan whereby their minds are being washed clean of their old and corrupted ideas, beliefs and convictions of western ways and cultures.

The scientific and technological process of the west was rendered its masses to merely cultural Christians due mainly to the contradiction between the scientific and the biblical accounts of creations and the universe. So, when the Chinese, the Hindus, the Sikhs, the Buddhists, the Jews and the rest of them migrate to North America, Europe, Australia or any other such country, their mind-plates begin to be washed clean of their old ways. The process completes itself within a couple of generations and they become atheistic in their beliefs and outlook, though they might still be calling themselves Hindus, Muslims, Sikhs, Jews, Christians, Buddhists, and so on while their mental states have been washed clean of Hinduism, Buddhism, Islam, Judaism, Christianity etc.

The point is that in order to write the right things on the minds of various people, the wrong things already written on them must necessarily be erased first. Therefore, do not usually listen to the reason, logic, and commonsense etc. While the Atheists, on the contrary, listen only to the sane reason, logical explanations and the rest.

Now, here is, then, Allah's plan to make Islam dominant over all other faiths and creeds. Islam is the only faith, creed or religion based entirely on scientific reasoning, human nature, logical explanations and plain commonsense. Allah wants all people of the world to wash their minds clean of wrong beliefs, corrupted thoughts, harmful ways, historical prejudices, unnatural convictions, unscientific dogmas and so on. And, it could only be done by first making western people, Atheists, powerful, rich and dominant over other people of the world to Atheism i.e. to wipe the human minds clean to enable them to listen to reason. And, since no other religion is based on human reason and human nature, Islam is bound to come out victorious

Finally this is how everything fits into plan:

1. It is decreed that Islam must dominate the world.
2. The Promised Messiah^{AS} appears with the philosophical explanations of the disputed dogmas, beliefs, teachings and the sort.
3. The world is pushed towards Atheism.
4. Humans get used to accepting things only on reason, logic and commonsense.
5. Global village comes into beings.

very well taken. Some of the highlights were as following:

- The Majlis Shura proposed the budget with 50% increase. Our attendance was more than double from last year.
- Ameer Sahib delivered the opening address.
- Sahibzada Mirza Anwar Ahmad Sahib distributed the prizes and led the concluding silent prayers.

It was a successful event. I thank Allah, the Almighty and I pray that may He always shower His mercy upon us and help us in all aspects our lives. Ameen.

9. **Preaching:** Under the guidance of Ch. Hameedullah Sahib, Wakil A'la, Majlis Ansarullah took the responsibility to hold the question/answer sessions, every month and in every Majlis. The program was initiated in October last year and Alhamdolillah it has picked up the momentum. We have a specific program to follow. It is with every Zaeem and Qaid Tabligh is keeping its track.

10. **Financial Sacrifice:** By the grace of Allah and with the participation of Ansar brothers we have achieved our budget for year 2000. Its largest share is by **Majlis Vaughan.** Where I know personally that Zaeem Sahib worked very hard in this regard.

May Allah bless the Members of Majlis Ansarullah Canada with the good health and dedication. And may He bless us to succeed in preaching. Ameen.

And Year 2001

Did You MISS the past activities?

GTA Majalis Activities:

a) First **Tarbiyyati Class** was held on February 11th at Baitul-Islam Mosque.

b) The **Musleh Mau'ood[RA]** Sports Day was held on March 18th at Regina Paces High School.

c) Sports Day on May 20, 2001.

Please contact your local Za'eem for the following **Future Events**.

- Salana Ijtema will be in September 2001.
- Second Tarbiyyati class will be in October 2001.

DO YOU KNOW?

- The **Chanda Majlis** is **one percent (1%)** of your monthly income and it is **compulsory** for every member of Majlis.
- **Chanda Ijtema** is **1% of monthly** income **once** a year.
- **Chanda Isha'at** is only **$2** per year.

Please pay your chanda regularly to enhance the Majlis work. May Allah bless you for all the financial sacrifices, *Ameen.*

MAJLIS ANSARULLA CANADA IN YEAR 2000

(Kaleem Ahmad Malik)

After receiving the approval of National Majlis A'mla, Ansarullah, Canada from Hadhrat Khalifatul Massih IV (May Allah Assist him), a team building process started.

1. We had such a slow start that in February 2000, we had a refresher course of GTA Majlis A'mla and some of the Zuma' could not attend. I wrote to Hazur Anwar for his prayers.

2. With the Huzur Anwar's prayers and support from Ameer Sahib, things started taking shape and in March, we have a better event of Musleh Ma'ood tournament. This year in GTA it will be held on **March 18th.**

3. I also started getting reports from outside Majalis and **Vancouver Majlis** was very regular in sending their report.

4. **GTA Majalis** also held 2 Tarbiyyati Classes first in April and second in December.

5. From **May to July** most of the local Majalis held their local Ijtema. I was able to attend the most of GTA Ijtemas.

6. **Western Canada Ijtema** was held in August in beautiful city of Vancouver. I thanked Allah, the Almighty and prayed for all those who came as far as Edmonton after 14-16 hours drive. They came by air and by road from Saskatoon, Calgary and Edmonton. More than 80 percent local members attended the Ijtema. Our Western Canada Missionaries were there and it was so heart warming and heart felt event that it is hard to describe.

   Tahajud prayers, prayers in general, academic competitions and games were great. The hospitality of Vancouver Majlis was excellent. May Allah bless all those who attended and I hope that they will attend with their friends this year also.

7. **Eastern Canada** Majalis held their Ijtema at Ottawa in late August. Its surprising part was that more people attended from Montreal than from Ottawa. It was also a very good event. Ansar participated in their competitions. Games were nicely held. Motivation was really good and Montreal left a challenge for Ottawa for this year's Ijtema for participation. I hope it will be well taken.

8. **National Ijtema** was held in September. **Sahibzada Mirza Anwar Ahmad Sahib** graced the occasion. He came from Calgary especially for our Ijtema. There was a question/answer session with Mohtram Sahibzada Sahib along with the elders of the community. This session was

Hazrat Muhammad[SAW] tried to explain but Abu Bakar insisted that he be just told yes or no. Yes was the reply where upon Abu Bakar immediately accepted his claim having known him to strictly truthful.

The true purpose of man's life is the worship of God, His understanding, and complete devotion to him.

Every aspect of his life was colored by his love for and devotion to God. The greater portion of his time during the day and night was spent in the worship and praise of God. He would leave his bed at midnight and devote himself to the worship of God. On one occasion Hazrat Aisha[RA] said to him; " God has honoured you with his love and nearness. Why then do you subject yourself to so much discomfort and inconvenience?" He replied; "If God has, by his sheer grace and mercy, granted his love and nearness upon me, is it not my duty in return to be always rendering thanks to him?"
I would like to conclude my speech with a quotation of a non-Muslim scholar, Mr. John Pitcairn, who is proving that if someone wants God's love he has to follow Hazrat Muhammad[SAW]. He writes and I quote.

"Young people in America and Europe feeling alienation from the way of life to their fathers and seeking excitement or escape in search for freedom of expression, reach out and embrace poorly understood concepts of Vedanta or Zen Buddhism. They seek to escape the turmoil and problems they see around them in their materialistic society. I suggest that by following the ***Sunnah*** or customs of the prophet Muhammad, peace be upon him, they will find an inner satisfaction that they will never find elsewhere and certainly not in escapist ideologies or half-baked systems of belief. Our children should be kept on the right path, and it is our duty to lead them correctly if we wish to avoid seeing their lives shattered or blighted by following false heroes and false Gods. (The Review of Religions, January 1989)

Unity of God Almighty

The Unity of God is a light, which illumines the heart only after the negation of all deities, whether they belong to the inner world or the outer world. It permeates every particle of man's being. How can this be acquired without the aid of God and His Messenger? The duty of man is only to bring death upon his ego and turn his back to devilish pride. He should not boast of his having been reared in the cradle of knowledge but should consider himself as if he were merely an ignorant person, and occupy himself in supplications. Then the light of Unity will descend upon him from God and will bestow new life upon Him.

(Roohani Khazain Vol. 22 Haqiqatul-Wahi, p 148)

Once in the morning of an Eid day he came out from his house and met some children playing. They were wearing new clothes and were showing their happiness. Beside them there was a young boy who had not taken his bath, and was wearing dirty, torn clothes. Hazrat Muhammad[SAW] took his hand in his own and asked him why he had not taken a bath and was not wearing new or clean clothes? The young boy replied his parents had died and there was no one who would give him new clothes to wear. Hazrat Muhammad[SAW] took him to his house and asked wife to serve the boy properly.

Hazrat Muhammad[SAW] was so humble and simple, even more than our imaginations. Once Hazrat Ummar[RA] visited him. He was amazed at the sight of the place bereft of all comforts. Hazrat Muhammad [SAW] was sitting in a small room with a loose cloth around his body. There was a cot without any pillow. In one corner there was some barley and in another corner was a piece of animal skin in which water was stored. Looking at the simplicity of the place where the king of the kings was living, Hazrat Ummar[RA] was overwhelmed and tears rolled down his face. Hazrat Muhammad[SAW] asked; "Why are you crying?" Hazrat Ummar[RA] replied; "Why should not I cry? I can see the marks of weaves of the cot on your body? On one side I look at your humble belongings and on the other I imagine the luxury of the kings of Egypt and Persia. They are enjoying such an easy life and you are living in such hardship". Upon that Hazrat Muhammad[SAW] replied; "O Ummar would you not like that they take this world and I get the hereafter?"

We find that after having some power or authority most of the people become rude and start behaving roughly. But our beloved master Hazrat Muhammad[SAW] while talking and dealing with people never let them feel that they were talking to a superior person.

Once a Bedouin came and demanded a debt from Hazrat Muhammad[SAW] in a harsh manner. Who were around him at that time were very annoyed and said to the Bedouin; "Do you know to whom you are -talking?" On which the Bedouin re-iterated that he was demanding his right. Upon that Hazrat Muhammad[SAW] said; 'It is the right of the lender to demand the return of his debt".

Once he was in the company of his companions in a jungle where they were getting ready to cook. Hazrat Muhammad[SAW] distributed the workload and himself participated in making food and worked like an ordinary person.

Hazrat Aisha[RA] used to say that Hazrat Muhammad[SAW] worked in the house like an ordinary person and never gave the impression of being a superior person than the others. If we check ourselves, I am afraid to say that most probably we will find a good number among us who feel embarrass or insulted if their wives ask them to help.

He was renowned from his childhood for his truthfulness and honesty. His standards were so high that the people called him "Al-Amin", the trustworthy, and "Al-Sidique", the truthful one. Since his childhood Abu Bakar was his extremely close friend. When he heard that his friend Muhammad[SAW] had claimed to be a Prophet of God he went to him and asked him if it was true.

Seeratun Nabi SAW

(Speech delivered at the Annual Ijtima 2000 of Majlis Ansarullah.Canada Maulana Mohammad Ashraf Arif Sahib (Missionary Western Region.)

O Mohammad[SAW], say if you love Allah, follow me; then will Allah love you and forgive your sins. And Allah is most forgiving and merciful.

Seerat Hazrat Muhammad[SAW] is the topic on which I am going to focus on. I am asked to confine myself to mentioning the incidents of the Holy Prophet[SAW].

Once his talented wife Hazrat Aisha[RA] was asked to shed some light on his habits and morals. She said, "He possessed all those moral excellencies which are mentioned in the Holy Quran", meaning he was the same in word and action. He believed in teaching more by example than by command.

Since his childhood he was pious, honest and truthful. There are many stories told about his youth. Some tell of how he used to take the sheep to graze and he was always kind to the animals. While they grazed he would sit thinking about the mysteries of nature. Unlike those around him, he never worshiped idols and never swore by them. He was a quiet, thoughtful boy, and rarely played with other boys of his age. It seems as if God Almighty himself took care of him from his childhood. On one occasion, he went with some of the boys to a wedding in Mecca. When he reached there he heard the sounds of music and dancing but just as he was about to enter he suddenly felt tired and fell asleep while sitting down. He missed the celebrations. This way Allah prevented him from doing anything foolish for He was keeping Muhammad [SAW] for something much more important.

His life was multifaceted. In every part of life he showed that spirituality does not mean just fasting and praying and the renunciation of the world. He married and gave us an illustration of married life. He had children. He illustrated righteousness in every walk of life. He spent his life by being a servant, trader, a subject, a master, a reformer, administrator, a judge, and the Prophet. In all these capacities he was an ideal to follow. He was the perfect and complete personality. He was a perfect man and a true image of God. In this regard I would like to mention some incidences of his life so we, too, can endeavor our best to follow him.

We find him so kind to his fellow beings as God says; "And lower thy wing of mercy to the believers who follow you". It is narrated that once a person came to see him and was so impressed by his personality that he started trembling from nervousness. At this Hazrat Muhammad [SAW] said, "Don't be afraid; I am the son of a *Qurashi woman* who used to eat simple dry meat".

It is also narrated that a dark-skinned woman used to take care of the mosque. Hazrat Muhammad[SAW] missed her and asked about her and was told that she had died, He said; "why did you not let me know?" As they had not considered the matter of any importance. He then asked; "Show me her grave". Then he went to the grave and prayed for the woman. He said; "These graves cover those in them with darkness and Allah illuminates them because of my prayers".

Khilafat is the Soul

Majeed A. Mian

(Re-Printed from Al-Nahl, Spring 1995)

Rise ye my friend! See the Sunrise at the Knoll
See the glow, the radiance, the power, and the roll

Khilafat is the Soul, Spirit, Heart, and Mind
The *Habl Allah*, where the *Quran* had us all combined

Many a dark night, spent beneath the shadow of a despair
By the many thousands, who passed away in waiting

The Lord being forgotten, His message was waylaid
Greed and hunger possessed the people, goodness they forbade

Darkness fell over the oceans and the earth
Abandoned was the ship of Islam, left into its berth

Allah raised the **Promised Messiah** to move the Spirit of Faith
Leaving behind the reward of ***Khilafat*** to get us going straight

Blessed are we who have a ***Khalifa*** praying for us all
Yearning for our loft and glory, Allah does he call

"Allah had promised to those among you who believe and do good works that He will surely make them Successors in the earth, as He made Successors from among those who were before them; and that He will surely establish for them their religion which He has chosen for them; and that He will surely give them in exchange security and peace after their fear: They will worship Me, and they will not associate anything with Me. Then who so is ungrateful after that, they will be the rebellious." (*Surah Al-Nur, Verse 56*)

Prophesy of the Holy Prophet Muhammad SAW

"Prophethood shall remain among you as long as Allah shall will. He will bring about its end and follow it with***Khilafat on the precepts of Prophethood*** for as long as He shall will and then bring about its end. A tyrannical monarchy will then follow and will remain as long as Allah shall will and then come to an end. There will followthereafter monarchial despotism to last as long as Allah shall will and come to an end upon His decree. There will then emerge***Khilafat on precept of Prophethood*.**" The Holy Prophet said no more (*Masnad Ahmad*)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful

My Dear Brothers:

Assalamo-alaikum Warahmatullahe Wabrakatohu

By the Grace of *Allah*, the Almighty the second issue of ***'Nahnu-Ansarullah'*** is in your hands. It is the sheer mercy of *Allah* and the dedication of some brothers who helped us in this regard.

Majlis Ansarullah has many fold responsibilities in upbringing and uplifting the Members in particular and community at large. This magazine will help us to share this understanding. Our objective is to enhance our knowledge, promote it and be the guardian of our families and also of the community.

We have recently reprinted the **'Religious Syllabus',** which was originally printed by Majlis Ansarullah Pakistan. It will help every family. *Insha-Allah*. I know that this is in Urdu language, but I hope that a similar book will be prepared and printed in English. I also hope that, with the help of Allah, we will achieve this objective this year. If you have not got the copy of **'Religious Syllabus'** yet, please contact your local *Zaeem* to get it.

The magazine can not be continued at its own; therefore, **I request your feedback and participation.** If you have anything interesting, new discoveries, health issues, your experience in preaching and you want to share with us, please do not hesitate and write to the Editor or myself.

I am including a brief list of our activities of Majlis Ansarullah Canada during the past year, 2000. This year our ***emphasis is on Tabligh***, a comprehensive program has been given to each *Zaeem* and I hope that all of us are participating in it. I hope and pray that Allah, the Almighty accept our humble efforts and bless us with ever lasting fruits. *Ameen*.

I also hope that you must have participated in all the local activities, if not, please make sure that not only we need your participation but we want to see you in the forefront of the activities of Majlis. *Jazakomullah*.

Wassalam

Kaleem Malik
Sadr Majlis Ansarullah
Canada

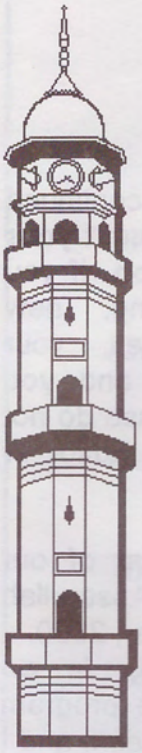

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

هو اللّٰه الخالق البارئ المصور له الاسمآء الحسنٰى

يسبح له ما في السمٰوٰت والارض وهو العزيز

الحكيم ۝

He is Allah, the Creator, the Maker, the Fashioner, His are the most beautiful names. All that is in the heavens and the earth glorifies Him, and He is the Mighty, the Wise.

Amir & Missionary Incharge	Maulana Naseem Mahdi
Sadr Majlis Ansarullah	Malik Kaleem Ahmad
Qa'id Isha'at & Chief Editor	Mohammad Zubair Mangla
Editor English Section	Dr. Sajid Ahmad
Editor Urdu Section	Nasir Ahmad Vance

Table of Contents

1. Message from Sadr Majlis 2
2. Khilafat is the Soul 3
3. Seeratun Nabi 4
4. Majlis Ansarullah Canada 2000 7
5. Diaspora or Devine Design 9
6. Main Christian Denominations and Their Beliefs 11
7. Food Allergy 26

Royal Accident Claims Inc.

•Auto Accidents •Pedestrian

اللہ نہ کرے آپ کا ایکسیڈنٹ ہو یا اگر ہو جائے

تو کیا آپکو ایکسیڈنٹ کے بعد اپنے حقوق معلوم ہیں؟

☆……کسی بھی اپنی انشورنس کمپنی کو فون کرنے سے پہلے حبیب ملک کو ضرور فون کریں

☆……آپ پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کر رہے ہوں، پیدل جا رہے ہوں یا آپ خود ڈرائیور ہوں یا پسنجر۔ بے شک آپ ریفیوجی ہی کیوں نہ ہوں، اسٹوڈنٹ ہوں یا خاتون خانہ، آپ کی نوکری ہو یا نہ ہو۔ بے شک غلطی آپ کی ہو ہم آپ کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں

☆……آپ کو ایکسیڈنٹ کلیم میں دیر بھی ہو چکی ہو تو ہم سے رابطہ قائم کریں۔

☆……ہم اپنی فیس دوسروں سے کم اور کلیم دلوانے کی صورت میں لیں گے۔ ہم آپکی زبان اُردو اور پنجابی بھی بولتے ہیں

☆……ہمارا مشورہ بالکل مفت ہے اور آپ کا کیس بھی بلا معاوضہ ہی دائر کریں گے۔ آپ حبیب ملک سے کسی بھی وقت مفت مشورہ حاصل کر سکتے ہیں۔

HABIB MALIK

PH:416-994-9498 FAX:416-748-8162

2428 Islington Ave.. Suite 210 Etobicoke. Ont. M9W 3X8

Nahno Ansar-ullah